دل کی آواز
RASHEED.82

(دل کش غزلوں اور رومانی نظموں کا مجموعہ)

شیدا انبالوی ایم۔ اے، ایچ۔ ای۔ ایس

ریٹائرڈ اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ تعلیم ہریانہ

راکیش پبلشنگ کمپنی۔ 59 ماڈل ٹاؤن انبالہ شہر

تعداد ۔ ایک ہزار

قیمت ۔ پندرہ روپے (Rs. 15/-)

کتابت ۔ رام نارائن مَنسانہ، گورونانک پورہ ۔ پانی پت

طباعت ۔ اعلےٰ پرنٹنگ پریس ۔ دہلی

تاریخ اشاعت

ملنے کا پتہ :۔
راکیش پبلشنگ کمپنی

59 ۔ ماڈل ٹاؤن ۔ انبالہ شہر
(ہریانہ)

دل کی آواز — ایک تاثر

(پروفیسر حفیظ بنارسی صاحب ایم۔اے)

شاعری کو جملہ فنونِ لطیفہ میں ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے اور اسی مناسبت سے ایک اچھے اور سچے شاعر کو بھی ہر زمانے میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ آج بھی جب کہ ہر بوالہوس نے حسن پرستی کو اپنا شعار بنالیا ہے اور شاعری کو بطور پیشہ اختیار کر رکھا ہے "آبروئے شیوۂ اہلِ نظر" کسی نہ کسی حیثیت سے باقی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے کھوٹے سکے بھی اپنی مصنوعی چمک دمک کے باعث رائج الوقت ہیں مگر اِن کا کھوٹا پن نگاہِ اہلِ ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

شاعری سچ پوچھئے تو ایک وہبی چیز ہے۔ اور ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کے لئے خداداد صلاحیت بھی ضروری ہے، موزونیٔ طبع اور دلِ زندہ بھی۔ اِن باتوں کے علاوہ فنِ شاعری میں درجۂ کمال کے حصول کے لئے رَوشنیٔ علم، مستقل مطالعہ اور توانائیٔ مشاہدہ کی بھی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ جناب پی۔ڈی۔ شیدا انبالوی کو قسّامِ ازل نے شاعری کے لئے متذکرہ بالا تمام لوازم سے نوازا ہے۔ آپ کے پاس علم کی بیش بہا دولت تو ہے ہی، تجربہ، مطالعہ اور مشاہدہ کی فراوانی کے ساتھ ساتھ غور و فکر والا دماغ اور ذہن بھی۔ اور سب سے بڑھ کر ایک حسّاس طبیعت اور دلِ گداختہ۔

کچھ دِنوں پہلے مجھے آپ کی کتاب "وقت کی آواز" دیکھنے اور پڑھنے کا موقع نصیب ہُوا تھا۔ مَیں آپ کی قومی اور وطنی نظموں سے بہت لطف اندوز ہُوا۔ آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اندازہ مجھے اُسی وقت ہو گیا تھا اس لئے کہ وقتی اور بظاہر خشک عنوانات پر آپ نے بڑی دِلچسپ اور کار آمد نظمیں لکھی ہیں جو اپنی جگہ بذاتِ خود ایک کارنامہ

ہے۔ اب آپ کا دُوسرا مجموعۂ کلام پیشِ نظر ہے، جو فی الواقع "دِل کی آواز" ہے۔ آپ کے اپنے دل کی آواز بھی اور آپ کی طرح بہت سے دُوسرے دِل زدگان کی بھی۔

اس کتاب میں زیادہ تر غزلیں ہیں اور کچھ نظمیں، قطعات اور رباعیات بھی۔
"دِل کی آواز" میں جو اصنافِ سخن شامل ہیں، ان میں روایت کا احترام نظر آتا ہے۔ فنّی لوازم کا لحاظ اور پاس ملتا ہے۔ نیز دِل کے ساتھ دماغ کو متاثر کرنے والی باتیں بھی جابجا دکھائی دیتی ہیں۔ آپ کے یہاں شاہد و شراب کا ذکر بہ کثرت ہے مگر اکثر اشعار کے مطالعہ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ آپ کی شراب، شرابِ معرفت اور آپ کا ساقی عام ساقی نہیں بلکہ کوئی مرشدِ کامل یا پیرِ طریقت ہے، جو آپ کو شرابِ معرفت پلا کر اور جلوۂ حق دکھا کر دُنیا کی آلائشوں سے پاک و صاف کرنا چاہتا ہے اور رشید صاحب اس کے متمنّی بھی نظر آتے ہیں۔

آپ کے سینے میں ایک دِلِ دردمند ہے۔ جس کے اندر انسانی ہمدردی کے جذبات کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہیں۔ آپ رنگ و نسل کے امتیاز اور مذہبی جنُون و عقل کے فتنہ و فساد کو یکسر پسند نہیں کرتے اور انسان کو خود انسان کا دشمن دیکھ کر تڑپ اُٹھتے ہیں۔ امن و آشتی۔ تعمیر و ترقّی اور فلاحِ انسانی کا جو خواب ہم نے دیکھا تھا، ابھی اُس کی تعبیر ہم کو نہیں ملی ہے، اسی لئے رشید صاحب موجودہ حالات سے غیر مطمئن ہیں اور ایک ایسی منزل کی جانب گامزن ہیں جہاں آدمِ خاکی واقعی سکُون و اطمینان کے ساتھ رہ سکے۔ آپ کی خواہش ہر اچھے اور بڑے شاعر نے ہر دور میں اپنے اپنے طور پر ظاہر کی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے شاعری کو ہم اتنا اہم مقام و مرتبہ دیتے ہیں۔ اگر یہ عنصر اس سے جُدا ہو جائے تو شاعری کوئی زیادہ قابلِ قدر چیز نہ بچے گی۔ اس کے لئے بھی رشید صاحب ہماری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرتِ رشید کے یہاں عشق و محبّت اور ہجر و وصال وغیرہ کے روایتی مضامین کی کمی نہیں مگر ان میں بھی آپ نے اپنے طور پر ایک خاص بات پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور آپ کے یہاں کافی تعداد میں دِل کو چھُو لینے والے اشعار مِل جاتے

ہیں۔ ان اشعار میں پاکیزگیٔ خیال کے ساتھ ساتھ رعنائی بیان بھی ہے جو عظیم اور کامیاب شاعری کے لئے بے حد ضروری ہے۔

ایک امتیازی خصوصیت جو آپ کے کلام میں مجھے نظر آئی وہ ہے آپ کی صاف و شستہ زبان۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اکتسابِ فن کافی محنت سے کیا ہے۔ اور آپ کو بہت اچھے اساتذہ کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں زبان و بیان کی وہ غلطیاں نہیں جو آج کل کے اکثر نوجوان شعرا کے کلام میں بہ کثرت نظر آتی ہیں۔ رشیدا صاحب نے شاعری میں کوئی نیا تجربہ کرنے کی سعیٔ رائگاں نہیں فرمائی اور اب آپ عمر کی جس منزل میں ہیں، وہاں آپ سے اس قسم کی کوئی امید رکھنی بھی نہیں چاہئے۔ آپ نے اپنے لئے جو راہ متعین کی ہے اُسی پر آپ بڑی سلامتی سے گامزن ہیں۔

"دل کی آواز" کے مطالعہ کے وقت بہت سے ایسے اشعار ملے جنھوں نے مجھے بے حد متاثر کیا اور میں دوبارہ پڑھنے پر مجبور ہوا۔ میں مرصّع غزلوں کے کچھ پسندیدہ اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اُن سے میرے اظہار کردہ خیالات کی تصدیق بھی ہو سکے گی اور قارئین کو مطالعہ کی تشویق بھی۔ یہ اشعار پاکیزگیٔ جذبات۔ بلندیٔ خیالات اور کیفیّتِ وجدان کے علاوہ زبان و بیان کی شستگی و شگفتگی کے بھی آئینہ دار ہیں:-

رِندی و مستی

ملتا ہی نہیں ساغرِ مے بادہ کشوں کو
جب تک تری آنکھوں کا اشارہ نہیں ہوتا

اگرچہ مدت سے ہوں میں تائب۔ مگر ہے یہ حال شیخ صاحب!
گزر ہوا جو کبھی اُدھر سے تو مے کدے کا سلام آیا

ساقیا! اِن پہ بھی ہو ایک عنایت کی نظر
شیخ صاحب ابھی ہشیار نظر آتے ہیں

تھم گئیں گردشیں زمانے کی
دن مستِ خرام آتا ہے؟

دیکھا ہے جب سے اُس نے مری سمت اک نظر
سب لوگ دیکھتے ہیں مجھے احترام سے
ساقی کی چشمِ مست سے ایسا ہُوں شادکام
رہتا ہُوں بے نیازِ مئے لعل فام سے

اپنی دیوانگی پہ مَیں قرباں
مجھ کو آتے ہیں خود وہ سمجھانے

اب اِسی رنگ میں دو رُباعیاں ملاحظہ ہوں :-

(۱)

اے شیخ! کہاں اپنی خبر ہوتی ہے؟
کب دین پہ، دُنیا پہ نظر ہوتی ہے؟
جب بانگِ اذاں آتی ہے دِن ڈھلتے ہی
مے خانے میں رِندوں کی سحر ہوتی ہے

(۲)

مے نوش بھی غم کوش رہے، کیا معنی؟
آفت سے ہم آغوش رہے، کیا معنی؟
مَے خانے میں رہ کر بھی اگر، اے شیدا!
تُو عیش فراموش رہے، کیا معنی؟

لطفِ زباں

عشق میں یوں تو کیا نہیں جاتا؟
اک خیال آپ کا نہیں جاتا
ہوش ہو یا سکوں ہو یا ہو صبر
دِل جب آتا ہے، کیا نہیں جاتا؟

خوش دِلی آتے آتے آتی ہے
رنج و غم جاتے جاتے جاتے ہیں

نہیں دِل لگی، دِل کسی سے لگانا
کِسی سے ذرا دِل لگا کر تو دیکھو

یوں خدائی مجھے ڈراتی ہے
جیسے میرا کوئی خُدا ہی نہیں

تم پہ آنا تھا مرا دل، آ گیا
تم سے ہونی تھی محبّت، ہو گئی

وہ لاکھ ستم گار سہی حضرت شیدا!
اب پیار کیا ہے تو اُسے پیار کریں گے

معرفت

اُس جلوے نے احسان کیا جب سے نظر پر
ہر شے میں اُسے جلوہ نما دیکھ رہا ہوں

غرض کچھ نہیں مجھ کو دیر و حرم سے
وہاں بھی میں تیرے لیئے جا رہا ہوں

جوشِ جنوں میں آنے لگا لب پہ رازِ عشق
دار و رسن کی سمت بڑھا جا رہا ہوں میں
مجھ کو خبر نہیں مری منزل ہے کس طرف
لے جا رہا ہے کوئی، چلا جا رہا ہوں میں

پھولوں میں رنگ روپ ستاروں میں روشنی
اُس حُسنِ دلفریب کا جلوہ کہاں نہیں؟

اپنے ذوقِ دید کو اب کارگر پاتا ہوں میں
اُن کا جلوہ ہر طرف پیشِ نظر پاتا ہوں میں
آگیا ہے عشق میں کیسا یہ حیرت کا مقام!
جس طرف جاتا ہوں اُن کو جلوہ گر پاتا ہوں میں

دورِ حاضرہ

آج انسان کی صورت ہے جہاں میں عنقا
ہر طرف کافر و دیں دار نظر آتے ہیں

خدا جانے کیسی ہے یہ چارہ سازی!
مرض بڑھ رہا ہے برابر دوا سے

مجھ کو چھوڑے گی کہیں کا نہ مری سادہ دلی
راہ زن، رہبرِ کامل نظر آتا ہے مجھے

کیا مزا اب رہا زندگی کا؟
آدمی ہے عدو آدمی کا

ہر شخص ہے دیوانہ یہاں اپنی غرض کا
یہ کیسی زمانے کی ہوا دیکھ رہا ہوں
جو شخص ہے فرعون ہے، جو بندہ ہے مزدور
دُنیا میں ہزاروں ہی خدا دیکھ رہا ہوں

اسی رنگ میں ایک رُباعی ملاحظہ فرمائیں :۔

اخلاص و مروت کا یہاں نام نہ لو
اخلاق و شرافت کا یہاں نام نہ لو
اب روشنیٔ نَو کا تقاضہ ہے یہی
پاکیزہ محبّت کا یہاں نام نہ لو

کیفیتِ احساس کے متعلق یہ شعر ملاحظہ فرمائیں، جو بیان سے بالا ہے ؎

اب اگر ہوش میں آجاؤں تو نادانی ہے
اب تو وہ خود مجھے دامن کی ہوا دیتے ہیں

آخر میں ایک ایسی مرصّع غزل کا مطلع اور مقطع ملاحظہ فرمائیے۔ جو مجھے بے حد پسند ہے :۔

کس مسیحا نفس کی بات آئی
رقص کرتی ہوئی حیات آئی
رنگ پھولوں کا اُڑ گیا رشیدا!
جب کبھی اُن لبوں کی بات آئی

اُمیدِ کامل ہے کہ دلِ رشیدا کی آواز قارئین کے دِلوں کے تاروں کو چھُو لے گی اور اُنھیں اپنے اپنے مذاقِ سخن کی تسکین کے لئے اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے اشعار اس مجموعہِ کلام میں مِل جائیں گے۔

مجھے یقینِ واثق ہے کہ یہ مجموعہِ کلام اَدبی حلقوں میں مقبول ہوگا۔

محمد عبدالحفیظ حفیظ بنارسی ایم۔ اے
صدرِ شعبۂ انگریزی، مہاراجہ کالج
آرہ (بہار)

"دِل کی آواز"

(علّامۂ دہر قیسؔ جالندھری)

حضرت شیداؔ انبالوی کی شخصیت اور شاعری ۔۔۔ دونوں آج کسی تعارف کی محتاج نہیں ۔ وہ ایک بلند کردار کے مالک اور ممتاز ماہرِ تعلیم ہیں ۔ ادبیات میں اُن کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے ۔

جس طرح شیداؔ صاحب کی زندگی سادہ ، لباس سادہ ، خوراک سادہ ہے ۔ اسی طرح اُن کا کلام بھی سلیس ہے ۔ تکلّفات سے پاک ۔

مقامِ مسرّت ہے کہ شیداؔ انبالوی کا دوسرا مجموعۂ کلام "دل کی آواز" زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہا ہے ۔ جو غزل ہی نہیں بلکہ دوسرے اصنافِ سخن ۔ رباعی ۔ قطعہ ۔ نظم پر بھی مشتمل ہے ۔ اُنھیں "غزل" اور "نظم" دونوں پر عبور حاصل ہے اور وہ ہر جگہ کامیاب نظر آتے ہیں ۔

شیداؔ کی شاعری محض تفنّنِ طبع کا سامان بہم نہیں پہنچاتی ، وہ نقدِ حیات بھی ہے ۔ اگر یہ خوبی نہ ہو تو اس کا مطالعہ تضیعِ اوقات ہو کر رہ جاتا ہے ۔

غزل شاعری کی جان ہے ۔ اس کے خلاف بعض حلقے آواز اُٹھا رہے ہیں ۔ مگر یہ زندہ ہے اور زندہ رہے گی کیوں کہ اس کا تعلق براہِ راست محبّت سے ہے جو ایک عالمگیر جذبہ ہے ۔ اس لئے آئندہ ادوار میں بھی اس کی دل کشی میں کمی نہیں آنے کی ۔

شیداؔ کی غزلیں داستانِ حُسن و عشق کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہیں ۔ "دل کی آواز" محض تفسیرِ محبّت نہیں ۔ قارئین مضامین کے تنوّع میں قوسِ قزح کے رنگ پائیں گے ۔ شیداؔ وقت اور ماحول کے تقاضوں کو بھی مدِنظر رکھتے ہیں ۔ اُن کا کلام قدیم روایات کے حُسن اور جدید اقدار کے رنگ کا سنگم ہے ۔ جذبات پاکیزہ خیالات بلند ، زبان کا استعمال مضمون کے مطابق ۔ کلام پُرجوش ۔ جدّت اور سادگی کا آئینہ ہے ۔

اشعار میں اُلجھاؤ نہیں۔ قاری یا سامع پر معنی صاف کھل جاتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا اندازِ بیان "بھول بھلیاں" نہیں۔

رشید صاحب کا ذوقِ سخن بلند ہے۔ زبان شگفتہ، فصاحت و بلاغت بیک وقت موجود۔ شعر خود بخود یاد ہو جاتا ہے یا اس کا مضمون دِل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایسی تخلیق داد سے مستغنی ہوتی ہے۔

رشید صاحب قواعدِ زبان اور اصولِ فن کے سختی سے پابند ہیں۔ وہ معائبِ سخن سے بچتے ہیں۔ اُن کا کلام محاسنِ سخن سے مالامال ہوتا ہے۔ متروکاتِ سخن سے احتراز کرتے ہیں۔ مختلف زبانوں کی شاعری کا وسیع اور گہرا مطالعہ اُنھوں نے کیا ہے۔ اُن کے کلام میں غلطی کا امکان بہت کم ہے۔ وہ جب غلطی کو سمجھ لیتے ہیں تو اسے کبھی نہیں دُہراتے۔

"دل کی آواز" میں قارئین کو بہت سے تیرِ دلنشیں مل جائیں گے۔ میں اشعار کی تشریح نہیں کروں گا کیوں کہ جذبات کے یہ نازک آئینے شرح کے لمس سے ٹوٹ جائیں گے۔

رباعیات۔ قطعات اور نظمیات بھی نقائص شعری سے پاک ہیں۔ یہ اس حقیقت سے عیاں ہے کہ رشید املسیانی دَبستانِ شاعری سے تعلق رکھتے ہیں جسے دورِ حال میں امتیازی شان حاصل ہے۔

رشید صاحب کی ادبی خدمات نہ صرف اہلِ ادب کی ستائش کی مستحق ہیں بلکہ حکومت کی قدر دانی کی بھی۔

مجھے یقین ہے کہ یہ دوسرا مجموعۂ کلام "دل کی آواز" اُن کے پہلے مجموعۂ کلام "وقت کی آواز" کی طرح دُنیائے ادب میں مقبول ہو گا۔

"دِل کی آواز" پر نہ ہو کیوں ناز
دل کی آواز، وقت کی آواز؟
لفظ لفظ اس کا مایۂ اعزاز
مصرع مصرع ہے سربسر اعجاز

امر چند قیس جالندھری
ہری گیان مندر۔ لسبی کلاں
ضلع ہوشیارپور (پنجاب)

۲۴ اگست ۱۹۷۹ء

دو لفظ

جناب شیدا صاحب انبالوی سے میرا تعارف ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ اس کے بعد مجھے اُن کا کلام مشاعروں اور دوسری نشستوں میں سُننے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کا اپنا انفرادی لہجہ ہے۔ جو مجھے بالخصوص بہت پسند آیا۔ زبان پر اُن کی قدرت اور اندازِ بیاں ہر سُننے والے کو مسحور کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر شعر دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اِس لئے ان کے مجموعہِ کلام "دِل کی آواز" کا نام ایک حقیقت کا اظہار ہے۔ اس سے پہلے ان کا مجموعہِ کلام "وقت کی آواز" بھی اس دَور کی مشکلات جو انفرادی بھی تھیں اور قومی بھی، کا مظہر تھا۔

جناب شیدا صاحب نہ صرف ایک بہت اچھے شاعر ہیں بلکہ ایک نہایت شریف اور منکسر المزاج انسان بھی۔ ان کی خوش خلقی اور خندہ پیشانی ایک نیک انسان ہونے کی دلیل ہے۔

مَیں ان کو مُبارک باد پیش کرتا ہُوں اور اُمید رکھتا ہُوں کہ یہ سلسلہِ تخلیق جاری رکھیں گے۔

یکم دسمبر ۱۹۷۹ء

آر۔ ڈی شرما

ایم۔ اے۔ ایچ۔ ای۔ ایس (ریٹائرڈ)

پرو وائس چانسلر کورو کشیتر یونیورسٹی

کورو کشیتر (ہریانہ)

اظہارِ تشکّر

میرے پہلے مجموعۂ کلام "وقت کی آواز" کے متعلق ہندوستان کے نامور نقّادوں نے جو کچھ لکھا وہ لکھا۔ لیکن اُس کے بعد مشاہیر کی جانب سے جو تعریفی خطوط موصول ہوئے اُنھوں نے مجھے گردابِ حیرت میں ڈال دیا۔

اب مَیں نے اپنا دوسرا مجموعۂ کلام "دل کی آواز" پیش کرنے کی جُرأت کی تو پروفیسر آر۔ ڈی شرما صاحب ایم۔ اے۔ ایچ۔ ای۔ ایس (ریٹائرڈ) پرو وائس چانسلر کورو کشیتر یونیورسٹی کورو کشیتر۔ پروفیسر حفیظ بنارسی صاحب ایم۔ اے صدر شعبۂ انگریزی مہاراجہ کالج، آرہ (بہار) اور علامۂ دہر جناب قیسؔ جالندھری نے اس سلسلہ میں اپنے قابلِ قدر مضامین سے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ مَیں اپنی کم مائیگیٔ سخن کو بخوبی سمجھتا ہُوں لیکن میرے اشعار میں اِن احبابِ ثلاثہ کو جو حُسن نظر آ رہا ہے وہ درحقیقت اُنھیں کا حُسنِ نظر ہے جس کے لئے مَیں تہِ دل سے اُن کا ممنُون ہُوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں کیا اور میری شاعری کیا؟ یعنی

"من آنم کہ من دانم"

شیدا انبالوی　　　　۲۴ اپریل ۱۹۸۱ء

ترتیب

وقت کی آواز

حضرت شیدا انبالوی کا پہلا مجموعۂ کلام "وقت کی آواز" شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اب صرف چند کاپیاں محفوظ رہ گئی ہیں۔ یہ ضخیم کتاب پہلی ہی قیمت (صرف دس روپے) پر پبلیشرز سے مل سکتی ہے۔

شیدا صاحب کے بلند پایہ کلام کے متعلق مشاہیر کی آراء:۔

۱۔ "وقت کی آواز" کے مطالعہ سے خوش وقت ہوا۔ (ابوالفصاحت) جوش ملسیانی

۲۔ شیدا صاحب نے ایک اچھے شاعر اور نقاد کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ (شمس العلماء) تاجور نجیب آبادی

۳۔ جناب شیدا کو زبان اور بیان پر عبور حاصل ہے۔ حضرتِ سالک بٹالوی

۴۔ حضرتِ شیدا کی غزل خوب ہے اور نظم بھی۔ پنڈت ہری چند اختر

۵۔ شیدا انبالوی کا کلام اسقامِ شعری اور عیوبِ فصاحت سے مبرا ہے۔ جناب سحر عشق آبادی

۶۔ حضرت شیدا کے اشعار عام فہم بھی ہوتے ہیں اور خاص پسند بھی۔ (راجیہ کوی) پنڈت میلارام وفا

۷۔ جناب شیدا انبالوی کا کلام فصاحت و بلاغت کا آئینہ ہے۔ علامہ فیض جالندھری

۸۔ "وقت کی آواز" ہمارے وقت کی بہترین یادگار ہے۔ پروفیسر تسنیم ایم۔ اے

۹۔ شیدا صاحب ایک نہایت سنجیدہ مذاق اور پختہ کار شاعر ہیں۔ حضرت ساحر سیالکوٹی

۱۰۔ "وقت کی آواز" دل کی آواز ہے۔ پرنسپل ملت موہنی ایم۔ اے

ملنے کا پتہ:۔

راکیش پبلشنگ کمپنی

59 - ماڈل ٹاؤن - انبالہ شہر

(ہریانہ)

غزلیں

○

کیوں تم سے علاجِ دلِ شیدا نہیں ہوتا؟
کیا دردِ محبت کا مُداوا نہیں ہوتا؟

طوفانِ بلاخیز ہے ہر اشکِ محبت
کیوں کر کہیں قطرہ کبھی دریا نہیں ہوتا؟

مِلتا ہی نہیں ساغرِ مے بادہ کشوں کو
جب تک تِری آنکھوں کا اشارا نہیں ہوتا

چھَن چھَن کے اُمڈتی چلی آتی ہے تجلّی
کوشش بھی کریں آپ تو پردا نہیں ہوتا

بے کار ہے اربابِ زمانہ کی شکایت
کوئی بھی زمانے میں کِسی کا نہیں ہوتا

جب تک کوئی منہ موڑ نہ لے دَیر و حَرم سے
اُسرارِ حقیقت کا شناسا نہیں ہوتا

تیرے ستم و جَور سے ہیں بند زبانیں
یعنی تِری بیداد کا چرچا نہیں ہوتا

شیدا! یہ دُعا ہے کہ بُرا وقت نہ آئے
اپنا بھی بُرے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

کیا مزا اب رہا زندگی کا؟

آدمی ہے عدو آدمی کا

دُشمنی کی ہے وہ دوستوں نے

اُٹھ گیا ہے بھرم دوستی کا

سانس ہی تو ہے۔ آئے، نہ آئے

کیا بھروسہ ہے اِس زندگی کا؟

اب جبیں اُن کے در پر جُھکی ہے

لُطف آئے نہ کیوں بندگی کا؟

بے خودی کا ہے کیا خُوب عالم!

کیف طاری ہے خُود آگہی کا

دہر کی ظُلمتیں۔ توبہ! توبہ!

نام تک بھی نہیں روشنی کا

جب بھی شیدا تھا مَیں آپ ہی پر

اب بھی شیدا ہُوں مَیں آپ ہی کا

حشر ظاہر ہے اُس ناخُدا کا

جو نہیں دیکھتا رُخ ہوَا کا

چارہ گر! فائدہ کیا دوَا کا؟

زیست جب موت ہی کا ہے خاکا

عشق پر اُنگلیاں اُٹھ رہی ہیں

کیا بدلنے لگا رُخ ہوَا کا!

ہر جگہ ہے خُدائی بتُوں کی

کون لیتا ہے نام اب خدُا کا؟

ذرّے ذرّے میں رقصاں ہیں جلوے

ایک دِل، سامنا سَو بلا کا

اُن سے ہم التجا ہی نہ کرتے

جانتے حشر اگر التجا کا

اِس جوانی میں شیدا! ریاضت؟

چھوڑ دے خوف روزِ جزا کا

○

دُنیائے عشق میں کسی قابل نہیں رہا

جو دِل تری نظر سے گرا۔ دِل نہیں رہا

لے جا رہا ہے شوق۔ چلا جا رہا ہُوں میں

اب امتیازِ جادہ و منزل نہیں رہا

تاریک ہوگیا ہے زمانہ نگاہ میں

پہلو میں جب سے وہ مہِ کامل نہیں رہا

کیوں مےکشوں پہ اُٹھتی ہیں دُنیا کی انگلیاں؟

خود شیخ احترام کے قابل نہیں رہا

اب کیوں کر اِن کو لعلِ بدخشاں کہے کوئی؟

جب دِل کا خون اشکوں میں شامل نہیں رہا

اعجاز میری چشمِ حقیقت نگر کا دیکھ

اب کوئی پردہ! پردۂ حائل نہیں رہا

شیدؔا! کہاں وہ عیش۔ وہ عشرت۔ وہ انبساط!

محفل میں جب وہ زینتِ محفل نہیں رہا

رہِ محبت میں یا الٰہی! یہ آج کیسا مقام آیا!

نہ دِل میں اپنی ہی یاد آئی۔ نہ لب پہ اُس بُت کا نام آیا

رہے سلامت یہ کیف و مستی۔ یہ بے خودی کا عجیب عالم!

کبھی پکارا کسی کو مَیں نے تو لب پہ تیرا ہی نام آیا

یہ کیا ہے دستورِ میکدے کا؟ یہ ساقیا! کیا ہے رنگِ محفل؟

رہا کوئی رِند تشنۂ مے۔ کسی کے حصّے میں جام آیا

نہ ہوش ہی تھا شریکِ جادہ۔ نہ عقل ہی رہنمائے منزل

ہمارا جوشِ جنوں سلامت! یہی محبت میں کام آیا

یہ کیسی دُنیا ہے تیری دُنیا! یہ کیسے بندے ہیں تیرے بندے!

بھروسا جن پہ تھا ہم کو یارب! کوئی بھی آخر نہ کام آیا

میرے خیال و نظر میں ہر دم سمائی رہتی ہے تیری صورت

جنوں کے عالم میں بھی زباں پر ہمیشہ تیرا ہی نام آیا

اُتر گئی صرصرِ حوادث۔ ٹھہر گئی گردشِ زمانہ

مرے تصوّر کے مے کدے میں جو وہ قیامت خرام آیا

اگرچہ مدّت سے ہوں مَیں تائب۔ مگر ہے یہ حال شیخ صاحب!

گزر ہوا جو کبھی اُدھر سے تو مے کدے کا سلام آیا

ہُوا نہ پابندِ فصلِ گُل کا کبھی مرا ذوقِ مے پرستی
اُدھر اُٹھیں وہ شرابی آنکھیں۔ اِدھر وہ گردش میں جام آیا

ہماری جانب کسی گئے آنے کا ذکر ہی کیا؟ جنابِ شیدا!
کبھی نہ کوئی سلام آیا۔ کبھی نہ کوئی پیام آیا

قطعہ

میرے دِل، میرے غم زدہ دِل میں
ایک مہ رُو کی یاد آتی ہے
شبِ فُرقت کی گہری ظُلمت میں
چاندنی جیسے جِھلملاتی ہے

○

عشق میں یوں تو کیا نہیں جاتا؟
اک خیال آپ کا نہیں جاتا

دل میں کہنے کو تو بہت کچھ ہے
منہ سے لیکن کہا نہیں جاتا

کیا خبر خِضر راہِ اُلفت میں
ساتھ جاتا ہے یا نہیں جاتا

خواب میں بھی تِرا خیالِ جمیل
دِل سے اے دِل رُبا نہیں جاتا

غم ہی جانِ حیات ہے یکسر
غم نہ ہو تو جِیا نہیں جاتا

اُٹھ گئی تھی مری نظر اُن پر
اب تک اُن کا گِلا نہیں جاتا

ہوش ہو یا سکوں ہو یا ہو صبر
دِل جب آتا ہے۔ کیا نہیں جاتا؟

رازِ دل اُن کو ہو تو کیوں معلوم؟
آنکھ سے بھی کہا نہیں جاتا

اب ہمیں کیا خوشی رہائی کی
بال و پَر سے اُڑا نہیں جاتا

جب یہ ہوتا ہے خود ہی ہوتا ہے
عشق شیدا! کِیا نہیں جاتا

جفا و وفا

جفا و قہر تو رحمت ہے رحمت
کبھی شِکوہ نہ کر قہر و جفا کا

وفا و مہر پر دے جانِ شیریں
سمجھ کچھ مرتبہ مہر و وفا کا

○

سوزِ دِل اشک بار ہو نہ سکا

کبھی "دیپک" "ملھار" ہو نہ سکا

ہم نے چاہا بھی حالِ دِل کہہ دیں

حالِ دِل آشکار ہو نہ سکا

لُطف کی تو اُمید تھی ہی نہیں

شوق بھی سازگار ہو نہ سکا

باوجود اِس قدر خرابی کے

عشق رُسوا و خوار ہو نہ سکا

لڑ گئی جس کی آنکھ ساقی سے

وہ کبھی ہوشیار ہو نہ سکا

بجلیاں باغ میں رہیں رقصاں

ہم سے جشنِ بہار ہو نہ سکا

ہے وہی عشق کامگار۔ اے دل!

جو کبھی کامگار ہو نہ سکا

اُس کو شیدا! نہ جانیئے گا دِل

جو کسی پر نثار ہو نہ سکا

○

جفا کے شکر پر بھی وہ ہیں برہم
پشیماں ہیں وفائے عشق پر ہم

دُعا سے بھی نہ بدلی اپنی قسمت
دُعا کرتے رہے شام و سحر ہم

ہماری ہار میں کچھ مصلحت تھی
تری ہر چال سے تھے باخبر ہم

نمک پاشی سے کب فرصت ہے اُن کو
وہ زخمِ دِل پہ کیا رکھیں گے مرہم

بہار آتے ہی کھُل جاتے ہیں ٹانکے
کہاں تک اب سِئیں زخمِ جگر ہم

بچھا دی ہیں ترے رستے میں آنکھیں
کہ دیکھیں تجھ کو تا حدِ نظر ہم

نہیں آثارِ منزل تک نظر میں
کہاں تک اب رہیں گرمِ سفر ہم

سحر کا بھی اُجالا دیکھ لیں گے
شبِ غم بچ گئے شیدا اگر ہم

○

اب کیا ڈریں گے گردشِ ہفت آسماں سے ہم؟
گذرے ہیں تیرے عشق میں ہر امتحاں سے ہم

یا سُن لبِ زمانہ سے۔ یا اپنے دِل سے پُوچھ
خود اپنا حال کہہ نہ سکیں گے زباں سے ہم

اب کیا غرض حرم سے ہے؟ کیا بتکدے سے کام؟
وابستہ ہو چکے ہیں ترے آستاں سے ہم

بس اِس قدر ہے ترکِ محبّت کی داستاں
کُچھ بدگماں سے وہ ہیں تو کچھ بدگماں سے ہم

کرتے رہیں گے برقِ تپاں کا مقابلہ
جائیں گے یوں نہ ڈر کے کبھی آشیاں سے ہم

انجام عشق بھی ہے اک آغازِ عشقِ نو
آئے وہیں پلٹ کے چلے تھے جہاں سے ہم

دَیر و حرم میں بادہ پرستی رَوا نہیں
جائیں بھی اب کہاں درِ پیرِ مغاں سے ہم؟

شیدا کِسی کو اپنا بنانا بھی خوب تھا
بیگانہ ہو گئے رہ گئے سارے جہاں سے ہم

○

ایک جان اور اُس پہ لاکھ ستم

اب ہُوں مَیں اور دِل کا ہے ماتم

ہے کبھی شعلہ تو کبھی شبنم

عشق میں دِل کا ہے عجب عالَم

تیری فرقت میں اب ہے یہ عالَم

دِل ہے مغمُوم۔ آنکھ ہے پُرنم

شُکریہ میَں نے جوَر کا جو کیا

اور بھی کچھ وہ ہو گئے برہم

مہر و مہ پر کمند پھینکتا ہے

اللہ اللہ رے جرأتِ آدم!

تیرے وعدے تو پختہ ہیں لیکن

کیا کروں؟ وقفۂ حیات ہے کم

جب سے اس پر نظر ہے ساقی کی

ساغرِ دِل ہے رشکِ ساغرِ جم

تیری دُنیا ہے غم کدہ۔ یا رب!
کم ہے اس میں خوشی۔ بہت ہی کم
چھوڑ بیٹھے ہیں ہم تو۔ اے شیدا!
درِ دَیر اور آستانِ حَرم

رُباعی

چڑھتا ہے اُترنے کو خمارِ ہستی
مہماں ہے کوئی دَم کی بہارِ ہستی
زیبا نہیں۔ اے دِل! تجھے ہستی پہ غرور
بُجھنے کو چمکتا ہے شرارِ ہستی

○

عشق کا غم ہے شیدا وہ غم
جس پہ قرباں نشاطِ ارم

دل رہا وقفِ رنج والم
ہنس کے سہتے رہے ہم ستم

اب کسے ہے اُمیدِ کرم؟
اب تو ہیں غم ہی غم اور ہم

لاکھ ڈھائیں وہ ظلم و ستم
میرے حق میں ہے یہ بھی کرم

شُکر ہے سب ہیں ساماں بہم
اشک پیتا ہوں۔ کھاتا ہوں غم

آپ کا عہد جھوٹا نہیں
آپ کیوں کھا رہے ہیں قسم؟

ہم کو دَیر و حَرم سے غرض؟
سر ہے اور اُن کا نقشِ قدم

اب تو آجا خدا کے لئے
آنکھ میں جان ہے لب پہ دم

اب تو شیدا ہے یا مے کدہ
چھوڑ آیا ہے دَیر و حرَم

ایک شعر

جسے ضبط نے دِل میں رکھا اَسیر
ستم ہے کہ لب پر وہ بات آگئی

○

اُس شوخ کو مائل بہ وفا دیکھ رہا ہُوں

کیا بات ہے؟ یارب! یہ مَیں کیا دیکھ رہا ہُوں؟

دیکھے تو کوئی ذوقِ نظر کا یہ تماشا

مَیں پردۂ ظلمت میں ضِیا دیکھ رہا ہُوں

ہر چیز حقیقت میں ہے وابستۂ مرکز

ہر چیز کو مرکز سے جُدا دیکھ رہا ہُوں

اُس جلوے نے احسان کیا جب سے نظر پر

ہر شے میں اُسے جلوہ نما دیکھ رہا ہُوں

ہر شخص ہے دیوانہ یہاں اپنی غرض کا

یہ کیسی زمانے کی ہوا دیکھ رہا ہُوں؟

جو شخص ہے فرعون ہے جو بندہ ہے نمرود

دُنیا میں ہزاروں ہی خدا دیکھ رہا ہُوں

کیا دیکھ رہا ہُوں یہ کہوں کیا میں کسی سے؟

خود سوچ میں ہُوں غرق۔ مَیں کیا دیکھ رہا ہُوں؟

اُس شوخ کی ہر بات دل آویز ہے ۔ یعنی

ہر بات میں اک لُطف نیا دیکھ رہا ہوُں

معلوم نہیں عِشق کسے کہتے ہیں ۔ شیدا!

دل میں مگر اک حشر بپا دیکھ رہا ہوُں

ایک غزل کے منتخب اشعار

کسی کی یاد میں یوُں دِل کو کھو رہا ہوُں میَں

کہ اپنی ذات سے بھی دُور ہو رہا ہوُں میَں

تمہارے عشق میں آنکھیں بنی ہیں گنگ و جمن

تمہارے عشق میں دن رات رو رہا ہوُں میَں

درست، ٹھیک، بجا، اِس اُمید پر۔ یارب!

کہ تُو غفوُر ہے مے خوار تو رہا ہوُں میَں

خیال اپنا بھی آتا نہیں مجھے شیدا!

یہ کِس حسیں کے تصوّر میں کھو رہا ہوُں مَیں؟

○

محبّت کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہیں

ہم اِک دِل پہ سوزِ زخم کھائے ہوئے ہیں

مرے ذہن پر یوں وہ چھائے ہوئے ہیں

مجھے اجنبی سا بنائے ہوئے ہیں

نہ بہلاؤ جھوٹی تسلّی سے مجھ کو

یہ وعدے بہت آزمائے ہوئے ہیں

ہمیں جان دے کر یہ دولت ملی ہے

ترے غم کو دِل میں چھپائے ہوئے ہیں

دھواں کیوں نہ اُٹھتا رہے اب جگر سے

ترے سوزِ غم کے جلائے ہوئے ہیں

کبھی خواب ہی میں نظر آئیں مجھ کو

جو میرے تصوّر پہ چھائے ہوئے ہیں

کِسی کے اُٹھائے وہ کیا اُٹھ سکیں گے؟

جو تیری نظر کے گرائے ہوئے ہیں

مرے شعر خود اس کو ظاہر کریں گے

یہ لائے گئے ہیں کہ آئے ہوئے ہیں

وہ آئیں نہ آئیں ۔ مگر راہ میں ہم
بہ صد شوق آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
کبھی اک نظر ہم نے دیکھا تھا اُن کو
ابھی تک وہ دِل میں سمائے ہوئے ہیں
شہادت کا رُتبہ میسّر ہے ہم کو
ہم اپنے لہو میں نہائے ہوئے ہیں
زمانہ وہی گیت گاتا رہے گا
جو اُلفت میں شیداؔ کے گائے ہوئے ہیں

ایک مطلع، ایک مقطع

زندگی کے اِمام ہیں ہم لوگ
موت سے ہم کلام ہیں ہم لوگ
غم سے ہے عِشق ہم کو اے شیداؔ!
کس قدر شاد کام ہیں ہم لوگ!

○

(بہ قیدِ یک قافیہ)

ہر ذرّہ شرابور ہے انوارِ سحر میں
عالم ہے طلسمات کا ہر سمت نظر میں

جب سے ہے کرم مجھ پہ کسی غیرتِ گُل کا
کانٹا سا کھٹکتا ہُوں رقیبوں کی نظر میں

ہر ذرّے میں ضَو پاش ہے یہ کِس کی تجلّی؟
خورشید ہی خورشید جھلکتے ہیں نظر میں

ہستی کو مِٹا کر ترے جلووں میں سماؤں
اک جلوہ بنوں آپ بھی عالم کی نظر میں

ہر سمت فضا میں ہے تجلّی ہی تجلّی
یہ سحر ہے یا خواب کا عالم ہے نظر میں

واعظ یہ ہے بہت "دُورِ خبر" "حدِ نظر" سے
ہے فرق بہت تیری خبر میری نظر میں

پیمانے میں بھر کر مجھے آنکھوں کی ضیا دے
تاریک سا ہو جائے زمانہ ہی نظر میں

جب سے کسی مہ وش نے گرایا ہے نظر سے
وقعت نہیں کچھ میری خود اپنی ہی نظر میں
خورشید و قمر جن سے ضیا لیتے ہیں شیدا!
کچھ ایسے بھی جلوے لئے بیٹھا ہوں نظر میں

جوشِ عمل

پیامِ صلح و محبّت سنا رہے ہیں ہم
امان و امن کا اک دَور لا رہے ہیں ہم
مِٹا کے ظلمتِ بُغض و کدورت و تخریب
ہر اک کو راہِ محبّت دکھا رہے ہیں ہم
اُٹھا کے دشت میں بھی رنگ و حُسن کا طوفاں
وطن کو رشکِ جنت بنا رہے ہیں ہم

○

کیا جانئے کیا سحر تھا اُس پہلی نظر میں
دیدارِ مکرّر کا ہے سودا مرے سر میں

اے خضر کے محتاج! غمِ تیرگی کیوں ہے؟
ذرّہ کوئی بے نور نہیں راہ گذر میں

کافور نہ ہو کیوں غمِ فرقت کی سیاہی
سَو ماہ منوّر ہیں مِرے داغِ جگر میں

معلوم نہیں کب ہو میسّر اسے منزل؟
ہے آدم آوارہ ازل ہی سے سفر میں

دم توڑنے دے کنجِ قفس میں مجھے صیّاد!
اب قوّتِ پرواز کہاں ہے مِرے پَر میں

اے غیرتِ مہر! ایک اُچٹتی سی نظر ہی
تاریک ہے دُنیا کی فضا میری نظر میں

طاری ہے مِرے ذہن پر اک بُت کا تصوّر
اے شیخ! کہاں کعبے کا سودا مرے سَر میں؟

کشمیر کے گلشن کی ہوا کیوں نہیں کھاتا؟
اے شیخ! ہے کیوں خلد کا سودا ترے سَر میں

کیا ختم بھی ہو گی کہیں راہِ طلب وشوق؟

جب بھی میں سفر ہی میں تھا اب بھی ہوں سفر میں

رستے کی طرح اور کھچی جاتی ہو جیسے

میری ہی طرح ہے مری منزل بھی سفر میں

ہر یا نے کے ذرے ہیں سوا شمس و قمر سے

شیدا! نہیں یہ نورِ ضیا شمس و قمر میں

چار شعر

نظر بن گئی ترجمانِ غمِ دل

نظر ہی تو ہے ترجمانِ محبّت

نہ وہ سن سکیں گے نہ ہم کہہ سکینگے

کہ ہے دل شکن داستانِ محبّت

اکارت گئی خضر کی رہبری بھی

بھٹکتا رہا کاروانِ محبّت

زبانِ محبت ہے دل کی خموشی

ہے دل کی خموشی زبانِ محبّت

جس کو وہ جام مئے ہوش رُبا دیتے ہیں

ہوش اُڑا کر اُسے ہشیار بنا دیتے ہیں

اہلِ فقر ایسا بھی اعجاز دکھا دیتے ہیں

ذرّہ خاک کو خورشید بنا دیتے ہیں

جن کو دیوانہ سمجھ رکھّا ہے تُو نے اے خضرؑ!

اہلِ دانش کو بھی وہ راہ دِکھا دیتے ہیں

اب اگر ہوش میں آجاؤں تو نادانی ہے

اب تو وہ خود مجھے دامن کی ہوا دیتے ہیں

لب پہ ساقی کے رواں رہتے ہیں ایسے نغمے

اہلِ دُنیا کو جو پیغامِ بقا دیتے ہیں

کِسی مذہب میں نہیں جرمِ محبّت ہرگز

آپ کیوں جرمِ محبّت کی سزا دیتے ہیں؟

کوئی دیکھے تو سہی اہلِ وفا کا دستور

دشمنِ جاں کو بھی ہر وقت دعا دیتے ہیں

کِتنے ہشیار ہیں یہ اہلِ جنوں۔ اے شیدا!

چاکِ دل، چاکِ گریباں سے مِلا دیتے ہیں

○

وفا چاہتا تھا - جفا چاہتا ہُوں

مَیں کیا چاہتا تھا؟ مَیں کیا چاہتا ہُوں؟

وفورِ الم سے ہے یہ حال میرا

ابھی اشک بن کر بہا چاہتا ہُوں

نہیں مجھ کو معلوم خُود اپنی خواہش

تمہیں کیا بتاؤں مَیں کیا چاہتا ہُوں؟

مجھے جا بہ جا اپنے جلوے دکھاؤ

تمہیں ہر جگہ دیکھنا چاہتا ہُوں

کوئی میری اِس سادہ لوحی کو دیکھے

غمِ عشق کی مَیں دوا چاہتا ہُوں

ملے ہیں زمانے کے سب عیش مجھ کو

خدا جانے مَیں اور کیا چاہتا ہُوں؟

بڑھا جا رہا ہُوں کہاں سے کہاں تک!

خدائے دو عالم ہُوا چاہتا ہُوں

بہ ہر حال مَیں شُکر کرتا ہُوں تیرا

بہ ہر حال تیری رضا چاہتا ہُوں

تمھیں سے تھا جب میرا ہر خواب رنگیں
وہی عشق کی ابتدا چاہتا ہوں
غمِ عشق ہی ہے مری شرطِ ہستی
غمِ عشق حد سے سوا چاہتا ہوں
نہ ہے دردِ دل کی دوا کوئی شیدا!
نہ میں دردِ دل کی دوا چاہتا ہوں

دورِ حاضرہ

ہر دِل میں کدورت ہے خدا خیر کرے!
نایاب مروّت ہے خدا خیر کرے!
تفریق ہے، کثرت ہے، خدا خیر کرے!
عنقا ہے تو وحدت ہے، خدا خیر کرے!
ملحوظ ہے اب کس کو خیالِ حرمت
نابود عقیدت ہے، خدا خیر کرے!
کافور ہیں اب مہر و وفا، صدق و صفا
اُلفت بھی سیاست ہے خدا خیر کرے!

○

ہم تمہیں دل سے پیار کرتے ہیں
جان تم پر نثار کرتے ہیں

آخر اس میں ہمارا کیا ہے قصور؟
پیار آتا ہے۔ پیار کرتے ہیں

شرحِ دل مختصر نہیں ہوتی
لاکھ ہم اختصار کرتے ہیں

اُن کے وعدوں کا اعتبار نہیں
پھر بھی ہم اعتبار کرتے ہیں

صبر کی داد وہ نہ دیں ہم کو
صبر کیوں اختیار کرتے ہیں؟

ہم سمجھتے ہیں بے وفا ہو تم
اور پھر تم سے پیار کرتے ہیں

ہم کہاں اور شغلِ بادہ کہاں؟
احترامِ بہار کرتے ہیں

وہ نہ آئے۔ نہ آئیں گے شیدا!
ہم مگر انتظار کرتے ہیں؟

ہر زمیں فردوس کی تصویر ہو سکتی نہیں

ہو بھی تو وہ جنتِ کشمیر ہو سکتی نہیں

تو دکھا دے کچھ اثر اے جذبۂ اُلفت! اگر

اُن کے آنے میں کبھی تاخیر ہو سکتی نہیں

کیا رہوں گا میں ہمیشہ مبتلائے رنج و غم؟

کیا کبھی سیدھی مری تقدیر ہو سکتی نہیں؟

جس بنائے شوق میں شامل نہ ہو خونِ جگر

پختہ اُس پر عشق کی تعمیر ہو سکتی نہیں

ہے ہماری آہ کو بھی اپنی خودداری کا پاس

یہ کبھی شرمندۂ تاثیر ہو سکتی نہیں

ہر کسی سے ہو ہی جاتی ہے زمانے میں خطا

کون ہے جس سے کوئی تقصیر ہو سکتی نہیں؟

میں چمن کی قید سے آزاد ہوں۔ اے ہم صفیر!

کوئی شے میرے لئے زنجیر ہو سکتی نہیں

جو گنہ گارانِ اُلفت ہیں۔ وہ سب معصوم ہیں
اُن کی لغزش قابلِ تعزیر ہو سکتی نہیں
میرا ہر موئے بدن شیدا! جو بن جائے زباں
پھر بھی تعریفِ کلامِ میر ہو سکتی نہیں

رُباعی

آفاتِ جہاں کا کوئی چارا ہی نہیں
جُز دُخترِ رز اور سہارا ہی نہیں
مے خانہ ہی غم خوار ہے مے خواروں کا
ساقی کے بغیر اُن کا گزارا ہی نہیں

○

حسیں پھولوں کے منظر دیکھتا ہوں
مگر گلشن کے باہر دیکھتا ہوں

حقیقت ہے کہ میرا حسنِ ظن ہے
انہیں مائل وفا پر دیکھتا ہوں

نظر آتا ہے اپنا جلوہ مجھ کو
خودی کو جب ہٹا کر دیکھتا ہوں

درخشاں ہو رہے ہیں کس کے جلوے
ہر اک شے کو منوّر دیکھتا ہوں

میری تابِ نظر کا امتحاں ہے
انہیں پردے سے باہر دیکھتا ہوں

خرد سے تو نہ نکلا کوئی بھی کام
میں اب دیوانہ بن کر دیکھتا ہوں

چمن کی بے ثباتی کا فسانہ
گلِ تر کے ورق پر دیکھتا ہوں

یہ دنیا خواب کا عالم ہے یکسر
کھلی آنکھوں یہ منظر دیکھتا ہوں

بہت بگڑے رہے وہ مجھ سے شیدا!
اب ان سے میں بگڑ کر دیکھتا ہوں

○

جب بہار آنے کے آثار نظر آتے ہیں

خود بہ خود دِل کے دبے زخم اُبھر آتے ہیں

کوئی آہٹ جو ذرا کان میں آجاتی ہے

یہ گماں ہوتا ہے مجھ کو وہ اِدھر آتے ہیں

ان کا رُتبہ تو فرشتوں سے بھی کچھ اونچا ہے

بشر کی تصویر نظر کیوں یہ بشر آتے ہیں؟

کیا بہار آ ہی گئی ہے جو قفس کی جانب

صحنِ گُل زار سے اُڑ اُڑ کے بشر آتے ہیں

جو بھی جاتے ہیں تری بزم میں باخندہ جبیں

سخت حیرت ہے کہ بادیدۂ تر آتے ہیں

کون سا حشر خرام آج اِدھر سے گزرا؟

ہر طرف حشر کے آثار نظر آتے ہیں

وہ میرے پاس نہیں آتے ۔ یہ الزام غلط

آتے ہیں ۔ بن کے مگر دردِ جگر آتے ہیں

ناخدا جن کو سمجھ لیتا ہے ساحلِ یکسر
بحرِ اُلفت میں کچھ ایسے بھی بھنور آتے ہیں
منتظر غیر اُدھر اور اِدھر ہیں شیدا
اب ہمیں دیکھنا یہ ہے، وہ کدھر آتے ہیں؟

چار شعر

دِل ستانی ہے جاں ستانی ہے
اُن کی یہ دوہری مہربانی ہے
اِس طرف شوقِ جاں فشانی ہے
اُس طرف ذوقِ جاں ستانی ہے
زخمِ دِل مندمل نہ ہو جائے
یہ کسی شوخ کی نشانی ہے
جان و دِل کا ہے رات دن ماتم
یہ جوانی بھی کیا جوانی ہے!

○

فتنے ہر سمت ہی بیدار نظر آتے ہیں
کیسے یہ حشر کے آثار نظر آتے ہیں!

آج انسان کی صورت ہے جہاں میں عنقا
ہر طرف کافر و دیں دار نظر آتے ہیں

کوئی ملتا نہیں ایسا جسے غم خوار کہیں
یوں تو غم خوار ہی غم خوار نظر آتے ہیں

جلوۂ حسن نمائش پہ ہے جب سے مائل
اہلِ دل عشق سے بیزار نظر آتے ہیں

عمر بھر صلح رہی جن سے بڑے پیار کے ساتھ
وہ بھی اب برسرِ پیکار نظر آتے ہیں

ساقیا! ان پہ بھی ہو ایک عنایت کی نظر
شیخ صاحب ابھی ہشیار نظر آتے ہیں

کون سا آئینہ روپیشِ نظر ہے؟ یارب!
دل و جاں نقش بہ دیوار نظر آتے ہیں

اور بھی تیز قدم اُٹھتا ہے منزل کی طرف
راستے جب ہمیں دشوار نظر آتے ہیں

کیسی بدلی ہے زمانے کی ہوا! اے شیدا!
اب وفا کوش ستم کار نظر آتے ہیں

O

مزے بیخودی کے لئے جا رہا ہوں　　پیئے جا رہا ہوں۔ پیئے جا رہا ہوں

بہارِ گُلستاں نہ جی بھر کے دیکھی　　یہ حسرت قفس میں لئے جا رہا ہوں

غم و رنج۔ درد و الم۔ یاس و حسرت　　جو مِلنا ہے مجھ کو لئے جا رہا ہوں

نہیں ہے کوئی زندگی کا بھروسا　　مگر مَیں بھروسا کئے جا رہا ہوں

نہیں ظلم کی تاب اب میرے دِل کو　　مگر دادِ اُلفت دیئے جا رہا ہوں

بر آئیں گی اک دن مِری آرزوئیں　　اِسی آرزو میں جیئے جا رہا ہوں

اُدھر کھُلتے جاتے ہیں دامن کے بخیئے　　اِدھر میں گریباں سیئے جا رہا ہوں

غرض کچھ نہیں مجھ کو دَیر و حَرم سے　　وہاں بھی مَیں تیرے لئے جا رہا ہوں

پلاتے ہیں وہ مست نظروں سے شیدا!

بڑے شوق سے مَیں پیئے جا رہا ہوں

○

رنج سہتے ہیں ۔ غم اُٹھاتے ہیں
پھر بھی ہم مُسکرائے جاتے ہیں

تیرے کشتوں کی ہے یہی گنگا
اپنے ہی خُون میں نہاتے ہیں

ضبط سے لاکھ کام لے کوئی
عشق کے راز کھُل ہی جاتے ہیں

ہم سا دشمن نہ ہو کوئی اپنا
دوستی کا فریب کھاتے ہیں

دِل چُرایا نہیں اگر میرا
مجھ سے آنکھیں وہ کیوں چُراتے ہیں؟

سوزِ اُلفت کے دِل نشیں نغمے
سازِ دِل پر ہی گائے جاتے ہیں

خُوش دِلی آتے آتے آتی ہے
رنج و غم جاتے جاتے جاتے ہیں

رشک کی حد ہے یہ کہ ہم اُن کو
اپنی نظروں سے بھی چھُپاتے ہیں

منزلِ دوست آ گئی؟ شیدا!
پاؤں کیوں لڑکھڑائے جاتے ہیں؟

○

حقِ محبّت کا وہی لوگ ادا کرتے ہیں
جھیل کر لاکھ جفائیں جو وفا کرتے ہیں

کُفر سے بھی ہے سوا دینِ محبّت میں گِلہ
کہیں اربابِ محبّت بھی گِلا کرتے ہیں؟

ایک وہ ہیں جو ہیں مصروفِ جفا شام و سحر
ایک ہم ہیں جو بہرحال وفا کرتے ہیں

سیم و زر لعل و گہر کی تو حقیقت کیا ہے؟
ہم دل و جاں ترے قدموں پہ فدا کرتے ہیں

تم جفا کرتے ہو ہم پر تو بجا کرتے ہو
ہم گِلہ کرتے ہیں تم سے تو خطا کرتے ہیں

ہاتھ احباب کے اب اُٹھنے لگے بہرِ دُعا
چارہ گر کس لئے تبدیلِ دوا کرتے ہیں

منزلِ عشق قدم لیتی ہے اُن کے بڑھ کر
جذبۂ شوق کو جو راہ نُما کرتے ہیں

زندگانی کی حقیقت ہے اُنہیں پر روشن
جو ترے عشق میں مر مر کے جیا کرتے ہیں

جان و دِل پر وہی ڈھاتے ہیں ستم۔ اے شیدا!
جان و دِل شوق سے ہم جن پہ فدا کرتے ہیں

○

اِک دِل پہ سَو عذاب سہے جا رہا ہُوں مَیں

یارب! یہ کِس خطا کی سزا پا رہا ہُوں مَیں؟

اب اِس مقامِ عشق پہ منزل کی کیا کشش؟

لے جا رہا ہے شوق۔ چلا جا رہا ہُوں مَیں

کیا تُو نے مجھ کو اپنی نظر سے گِرا دیا؟

اپنی نظر سے آپ گِرا جا رہا ہُوں مَیں

کچھ یُوں جمالِ یار میں گُم ہو کے رہ گیا

خود ہی جمالِ یار بنا جا رہا ہُوں مَیں

جوشِ جنُوں میں آنے لگا لب پہ رازِ عشق

دار و رَسن کی سمت بڑھا جا رہا ہُوں مَیں

اپنے پہ مجھ کو ہونے لگا ہے ترا گُماں

اپنے ہی نقشِ پا پہ جُھکا جا رہا ہُوں مَیں

مجھ کو خبر نہیں مری منزل ہے کِس طرف؟

لے جا رہا ہے کوئی۔ چلا جا رہا ہُوں مَیں

اپنے رُخِ جمیل کے جلووں کو عام کر
اے مَیں حجاب ہُوں تو ہٹتا جا رہا ہوں مَیں

شیدا! ہوائے شوق کا عالم کہوں مَیں کیا؟
اِک دُھن ہے اور اُس میں اُڑا جا رہا ہوں مَیں

رُباعی

ہر رنج میرے واسطے ہے راحتِ جاں
ہر دردِ محبّت ہے سکوُں کا ساماں
گنجائشِ اضداد کہاں اب دل میں؟
غم ہو کہ خوشی، میرے لئے ہے یکساں

○

اہلِ نظر سے کوئی بھی منزل نہاں نہیں
جو لامکاں ہے اُن کے لیے لامکاں نہیں

اب دِل میں خوفِ صرصر و برق تپاں نہیں
بے آشیاں ہُوں۔ مجھ کو غمِ آشیاں نہیں

بعدِ فنا بھی صورتِ تسکیں نہیں نصیب
کہتا ہے کون، زیرِ زمیں آسماں نہیں؟

اب کِس جگہ جھکاؤں جبینِ نیاز کو؟
پیشِ نظر کہیں بھی کوئی آستاں نہیں

اِک حشرِ اضطراب ہے دِل میں بپا۔ مگر
یہ اور بات ہے مرے لب پر فغاں نہیں

پھُولوں میں رنگ رُوپ۔ ستاروں میں روشنی
اُس حسنِ دِل فریب کا جلوہ کہاں نہیں؟

تِنکے چُنے بُنے جس کے لیے میں نے عمر بھر
اب گھر وہ برق کا ہے۔ مرا آشیاں نہیں

کوئی حیات اور نہ ہو گی پسِ فنا
اِس امتحاں کے بعد کوئی امتحاں نہیں

شیدا! نگاہ پھیر لی اُس مہرباں نے کیا؟
کوئی بھی میرے حال پہ اب مہرباں نہیں

○

اپنے ذوقِ دید کو اب کارگر پاتا ہُوں مَیں
اُن کا جلوہ ہر طرف پیشِ نظر پاتا ہُوں مَیں

وہ بھی دن تھے جب مرے دِل کو تھی تیری جُستجُو
یہ بھی دن ہے، دل کو اب تیرا ہی گھر پاتا ہُوں مَیں

ہر قدم ہے جُستجُو کی راہ میں دشوار تر
ہر قدم پر گمرہی کو راہ بر پاتا ہُوں مَیں

آگیا ہے عشق میں کیسا یہ حیرت کا مقام؟
جس طرف جاتا ہُوں۔ اُن کو جلوہ گر پاتا ہُوں مَیں

دیکھتا ہُوں انقلابِ دہر کی نیرنگیاں
زندگی کو ہر طرف زیر و زبر پاتا ہُوں مَیں

اللہ اللہ مُرشدِ کامل کا یہ فیضِ کمال!
دِل کو اب رازِ خودی سے باخبر پاتا ہُوں مَیں

اب کہاں میری نظر میں دہر کی رنگینیاں؟
اب تو اپنے آپ ہی کو خُودنگر پاتا ہُوں مَیں

سوئے منزل جا رہا ہے اِس جہاں کا قافلہ
ذرّے ذرّے کو یہاں گرمِ سفر پاتا ہوں میں
موت سے ہوتی ہے شیدا! زندگی کی پرورش
ہر نفس میں یہ حقیقت مُستتر پاتا ہوں میں

دِل کی آواز

دِل سے اُٹھ کر اُترتی ہے دِل میں
دِل کی آواز میں ہے وہ تاثیر
اِس سے کھلتے ہیں کائنات کے راز
اِس سے روشن ہیں چشم وجان وضمیر

ظلم ایسا کہ انتہا ہی نہیں
رحم اِتنا کہ ابتدا ہی نہیں

مجھ کو مارا مری وفاؤں نے
آپ کی تو کوئی خطا ہی نہیں

یوں خدائی مجھے ڈراتی ہے
جیسے میرا کوئی خدا ہی نہیں

وہ تو ہر شکل میں ہے جلوہ نُما
دِل مگر صوُرت آشنا ہی نہیں

یوں تو سب کچھ ہے اِن حسینوں میں
بس نہیں ہے تو اک وفا ہی نہیں

جان و دِل پر اگر نہ بن جائے
عاشقی کا کوئی مزا ہی نہیں

اب زمانہ نہیں مُحبّت کا
اب زمانے کی وہ ہوا ہی نہیں

دردِ دِل لادوا ہے اے شیدا!
دردِ دِل کی کوئی دوا ہی نہیں

○

داغِ فرقت ۔ داغِ غم ۔ داغِ وفا رکھتا ہُوں مَیں
کیا کہُوں؟ اپنے دلِ ویراں میں کیا رکھتا ہُوں مَیں

اک ہجومِ یاس و حرماں ۔ اک جہانِ درد و سوز
کیا خبر تجھ کو درونِ سینہ کیا رکھتا ہُوں مَیں؟

خود نہیں معلوم مجھ کو اپنے دِل کا مُدعا
کیا بتاؤں آپ کو کیا مُدعا رکھتا ہُوں مَیں؟

جو کنارے میں بدل دے یک بہ یک گرداب کو
غم نہیں ۔ اے ناخُدا! ایسا خُدا رکھتا ہُوں مَیں

لاکھ پردوں میں بھی وہ ظاہر ہیں میرے سامنے
چشمِ دِل کو اب حقیقت آشنا رکھتا ہُوں مَیں

کیوں نہ جُھک جُھک جائے سجدوں کے لئے میری جبیں
رُو بہ رُو اپنے کسی کا نقشِ پا رکھتا ہُوں مَیں

کیوں نہ سینے سے لگالوں مَیں زمانے بھر کے غم؟
اپنے سینے میں دل درد آشنا رکھتا ہُوں مَیں

آنکھ میں ۔ دل میں ۔ جگر میں ۔ ذہن میں ۔ افکار میں

اُس بتِ رعنا کے جلووں کی ضیا رکھتا ہُوں مَیں

اُس وفا دشمن پہ بھی شیدا ہُوں دل سے ۔ جان سے

کون جانے عشق کی کیسی ادا رکھتا ہُوں مَیں؟

تین شعر

دردِ دِل اور کوئی کیا جانے

جو دِلِ درد آشنا جانے

ہجر میں دِل پہ جو گزرتی ہے

اُس جفا کیش کی بلا جانے

وہ بھی وحدت پرست ہے شیدا!

ایک ہی بُت کو جو خدا جانے

○

محبّت کی دُنیا میں آکر تو دیکھو
کسی کو تم اپنا بنا کر تو دیکھو

مرے عشق کو آزما کر تو دیکھو
مری جان پر حشر ڈھا کر تو دیکھو

کوئی شے نگاہوں سے باہر نہیں ہے
نگاہوں سے پردا ہٹا کر تو دیکھو

محبّت کی دُنیا ہے راحت کی دُنیا
محبّت کی دُنیا بسا کر تو دیکھو

سمجھ جاؤ گے دردِ دل چیز کیا ہے ؟
کبھی عشق کی چوٹ کھا کر تو دیکھو

نہیں دل لگی۔ دِل کسی سے لگانا
کسی سے ذرا دِل لگا کر تو دیکھو

یہی راہِ ہستی کو روشن کرے گا
چراغِ محبّت جلا کر تو دیکھو

ہمیں تابِ دیدار ہے یا نہیں ہے
مقابل نگاہوں کے آکر تو دیکھو

ہماری نظر میں بڑی وسعتیں ہیں
ہماری نظر میں سما کر تو دیکھو

بتا دیں گے ہم عشق ہے نام کس کا ؟
ہمیں اپنا شیدا بنا کر تو دیکھو

○

زیست کی صبح سے ہم شام تک آ پہنچے ہیں
یعنی آغاز سے انجام تک آ پہنچے ہیں

بیٹھا جاتا ہے مجدّت ہیں، ہجومِ غم سے
سَو مصائب دلِ ناکام تک آ پہنچے ہیں

جو مرے ذکر سے بیزار رہا کرتے تھے
اب وہی نامہ و پیغام تک آ پہنچے ہیں

شیخ آ پہنچے جو کعبے سے صنم خانے تک
برہمن کُفر سے اسلام تک آ پہنچے ہیں

فیضِ ساقی کا کرشمہ ہے کہ واعظ کے بھی لب
لبِ جامِ مۓ گُل فام تک آ پہنچے ہیں

صبح تک شام سے پہنچیں تو ہے لُطف اے ساقی!
صبح سے دَور جواب شام تک آ پہنچے ہیں

وہ کبھی عشق میں آغاز سے آگے نہ بڑھے
جو یہ سمجھے تھے کہ انجام تک آ پہنچے ہیں

کیسا بدلا ہے زمانے کی ہَوا نے یہ رُخ!
جو حقائق تھے۔ وہ اوہام تک آ پہنچے ہیں
ہم سے اب دار و رسَن دُور نہیں، اے شیدا!
حق نوائی کے تو الزام تک آ پہنچے ہیں

خاکِ ہریانہ

خاکِ ہریانہ ہے بہشت نظر
اِس کا ہر چشمہ چشمۂ کوثر
ذرّہ ذرّہ جوابِ شمس و قمر
رُوح افروز اِس کا ہر منظر

○

کس مسیحا نفس کی بات آئی ؟ رقص کرتی ہوئی حیات آئی

دل ہی فرقت کا حشر ساماں ہے مر کے رہ جاؤں گا جو رات آئی

دم نکلتے ہی چین کچھ پایا موت کے بھیس میں حیات آئی

جب دُوئی کے حجاب اُٹھنے لگے جلوہ ساماں خدا کی ذات آئی

درد و غم ۔ یاس و رنج سوز و گداز سر بلائیں لئے حیات آئی

اُس کی نظروں میں قدرِ شاہی کیا؟ دولتِ فقر جس کے ہات آئی

تیرے وعدے کی پختگی ہے عیاں رُک کے سو بار لب پہ بات آئی

سینکڑوں رنج و غم جِلو میں لئے دھوم سے عشق کی برات آئی

رنگ پھولوں کا اُڑ گیا شیدا !
جب کبھی اُن لبوں کی بات آئی

سامانِ جنوں لے کر گلشن میں بہار آئی

جیسے کوئی دیوانہ؛ جیسے کوئی سودائی

تُو جانِ تمنّا ہے۔ تُو رُوحِ تمنّا ہے

اے جانِ تمنّائی! اے روحِ تمنّائی!

غنچہ کہ شگوفہ ہو۔ ذرّہ کہ ستارہ ہو

ہر شے سے نمایاں ہے وہ جلوۂ یکتائی

یہ قیدِ قفس، اُس پر بے بال و پری دیکھو

افسوس گلستاں میں کس وقت بہار آئی!

اُن کے رُخِ روشن پر نظریں ہیں تصوّر میں

کس درجہ درخشاں ہے میری شبِ تنہائی!

ہر پھول ہے افسردہ۔ ہر غنچہ ہے پژمُردہ

کہنے کو تو کہتا ہے ہر شخص "بہار آئی"

بُو اُس کی ہے پھولوں میں ضَو اُس کی ہے تاروں میں

وہ پردہ نشیں ہو کر کس درجہ ہے ہرجائی!

ملتی ہی نہ تھی فرصت دُنیا کے جھمیلوں سے

اک وجہِ سکوں ہے اب شیدا مری تنہائی

○

جب اُن سے ملاقات ہوتی رہی — ہمیشہ نئی بات ہوتی رہی
زباں بند تھی۔ بات ہوتی رہی — یونہیں شرحِ حالات ہوتی رہی
یہ اچھی مدارات ہوتی رہی — ہر اک بات میں گھات ہوتی رہی
لگا ہوں لگا ہوں میں کچھ دیر تک — خدا جانے کیا بات ہوتی رہی!
محبّت تھی اک کھیل جن کے لئے — اُنہیں مات پر مات ہوتی رہی
نہ چاہا کبھی ہم نے جس بات کو — ہمیشہ وہی بات ہوتی رہی
وہی زندگی اصل میں خوب تھی — جو نذرِ خرابات ہوتی رہی
مرا کیا؟ جو میں رہ گیا نامراد! — ترے دل کی ہر بات ہوتی رہی

شبِ ہجر رشیدا! نہ آنسو تھمے
اندھیرے میں برسات ہوتی رہی

ایک شعر

سرِ منزل جو ہم رہے گم راہ
رہنماؤں کی مہربانی ہے

○

ہم سے کیا دلچسپ غفلت ہو گئی! ناگہاں تم سے محبّت ہو گئی

چین تھا راحت تھی اطمینان تھا آ گیا دل ۔ بس قیامت ہو گئی

پیتا رہتا تھا میں اکثر شوق سے اب تو مے جزوِ طبیعت ہو گئی

کس کو ہم اپنا کہیں اِس دور میں؟ لفظِ بے معنی محبّت، ہو گئی

جی رہا ہوں موت کی اُمید میں زندگی گویا قیامت ہو گئی

تیرے غم بھی کس قدر پُر لطف ہیں! زندگی راحت ہی راحت ہو گئی

تم پہ دِل آنا تھا میرا دِل آ گیا تم سے ہونی تھی محبّت ۔ ہو گئی

ختم جب ہونے کو آئی شامِ غم جلوہ گر صبحِ قیامت ہو گئی

جب سے جانِ زندگی تم بن گئے زندگی سے مجھ کو اُلفت ہو گئی

تم نے جب سے اپنا غم بخشا مجھے مجھ کو ہر غم سے فراغت ہو گئی

درد و غم ۔ رنج و الم ۔ یاس و ملال عشق میں حاصل یہ دولت ہو گئی

مے کدہ کعبہ ہے شیدا کے لئے
اُس کو ساقی سے عقیدت ہو گئی

○

نِکل کر دِل سے اک اک کی زباں تک بات جا پہنچی
کہاں کی بات تھی! لیکن کہاں تک بات جا پہنچی؟
غرورِ حُسن اُن کو تھا۔ غرورِ عشق تھا ہم کو
تعجُّب کیا؟ جو آخر امتحاں تک بات جا پہنچی
محبّت کرنے والے جان پر بھی کھیل جاتے ہیں
وفا کیسی؟ اگر سود و زیاں تک بات جا پہنچی!
نظر سہواً اُٹھی اُن پر۔ فسانے بن گئے کیا کیا!
ذرا سی بات تھی لیکن کہاں تک بات جا پہنچی!
ہمارے عشق کے چرچے کہیں روکے سے رُکتے ہیں؟
اب اِس کی۔ اُس کی۔ اک اک کی زباں تک بات جا پہنچی
گِلہ کیسا؟ شکایت کیوں؟ پشیمانی سے کیا حاصل؟
جہاں تک تم نے پہنچا دی وہاں تک بات جا پہنچی
محبّت لاکھ پردوں میں بھی ظاہر ہو گئی آخر
دلِ خاموش سے ہر اِین و آں تک بات جا پہنچی

پہنچی تھی لبِ ساقی سے جو مجھ رندِ مے کش تک
تعجّب ہے وہ زاہد کی زباں تک بات جا پہنچی

محبّت دو دِلوں کا راز ہم سمجھے تھے۔ اے شیدا!
نہ جانے کس طرح سارے جہاں تک، بات جا پہنچی!

قطعہ

آرزو، عارضی مسرّت کی
غمِ ہستی پہ مسکراتی ہے
جیسے بُجھتے ہوئے چراغ کی لَو
چاند کا مضحکہ اڑاتی ہے

O

زمیں یہ آسماں کچھ بھی نہیں ہے
وہاں ہیں ہم جہاں کچھ بھی نہیں ہے

اگر حائل نہ ہو غفلت کا پردہ
نگاہوں سے نہاں کچھ بھی نہیں ہے

خود اپنے آستاں پر سر جھکا دے
کسی کا آستاں کچھ بھی نہیں ہے

ادھر صر صر، اُدھر برق اور باراں
بساطِ آشیاں کچھ بھی نہیں ہے

ہمارا میکدہ جنّت ہے۔ اے شیخ!
ترا باغِ جناں کچھ بھی نہیں ہے

چلے جائیں اگر وہ گلستاں سے
تو پھر یہ گلستاں کچھ بھی نہیں ہے

قیامت ہیں وفائیں دوستوں کی
فریبِ دشمناں کچھ بھی نہیں ہے

گلہ، شکوہ شکایت ہم کو تجھ سے؟
نہیں۔ اے مہرباں! کچھ بھی نہیں ہے

فقط ہے یہ تخیّل کا کرشمہ
مکاں یا لامکاں کچھ بھی نہیں ہے

تمہارا حسن تو سب کچھ ہے۔ لیکن
ہمارا عشق؟ ہاں، کچھ بھی نہیں ہے

اُنہیں کا نام ہے میری زباں پر
جنہیں پاسِ زباں کچھ بھی نہیں ہے

جو قومی ایکتا لائی وطن میں
وہ اب اُردو زباں کچھ بھی نہیں ہے

کرم پر دہ نہ مائل ہوں نوشیدا!
نری آہ و فغاں کچھ بھی نہیں ہے

○

سبھی کچھ ہے یہ کیا؟ کچھ بھی نہیں ہے — کہیں میرے سوا۔ کچھ بھی نہیں ہے
وفاؤں نے ہمیں اُلفت میں مارا — تمہاری تو خطا کچھ بھی نہیں ہے
اگر محدود ہے دَیر و حرم تک — تو پھر ایسا خُدا کچھ بھی نہیں ہے!
ہمارا مُدعا کیا پوچھتے ہو؟ — ہمارا مدعا کچھ بھی نہیں ہے
خُدا کو یاد کر۔ اے ناخدا! تو — یہ گرداب بلا کچھ بھی نہیں ہے
مُقدّر کی شکایت کر رہے ہیں — ہمیں تم سے گلا کچھ بھی نہیں ہے
خُدائی کر رہے ہیں وہ جہاں میں — جنہیں خوفِ خُدا کچھ بھی نہیں ہے
جنوں کی ابتدا تو ابتدا تھی — جنوں کی انتہا کچھ بھی نہیں ہے

جسے دُنیا سمجھتا ہے تو شیدا!
وہ دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

ایک شعر

وہ اور ہوں گے، رہے گُل بکف جو دشت میں بھی
ہمیں تو باغ میں بھی شاخِ گُل سے خار ملے

○

حُسن کی چال میں آجاتا ہے　　دِل ہے۔ دھوکا کھا جاتا ہے

ہوتی ہیں جب چار نگاہیں　　دِل سے دِل ٹکرا جاتا ہے

اے غم سے گھبرانے والے!　　یوں بھی پیار کیا جاتا ہے؟

یہ دُنیا ہے غم کی دُنیا　　غمِ انساں کو کھا جاتا ہے

دِل آنے کے ڈھنگ نہ پوچھو　　جب آتا ہے۔ آ جاتا ہے

ساقی ایک اشارے ہی میں　　سَو مطلب سمجھا جاتا ہے

عشق میں یہ سمجھائے کوئی　　دل آتا ہے یا جاتا ہے

اُس عالم کا حال نہ پوچھو　　جب کوئی یاد آ جاتا ہے

دِل بھی کھا جاتا ہے غم کو　　غم بھی دل کو کھا جاتا ہے

مِلتا ہے کیا عشق میں شیدا!
سب کچھ ہی کھو یا جاتا ہے

O

حُسن کا احترام آتا ہے — اور کیا ہم کو کام آتا ہے؟

جب کِسی کو پکارتا ہُوں مَیں — لب پہ تیرا ہی نام آتا ہے

میری بربادیوں کا حال نہ پُوچھ — اِس میں تیرا بھی نام آتا ہے

جب ہر اک خُود غرض ہے دُنیا میں — کون پھر کِس کے کام آتا ہے؟

اور آتا ہے خاک واعظ کو! — اِک حلال و حرام آتا ہے

جذبِ کامل اگر ہو رِندوں میں — خود بہ خود بڑھ کے جام آتا ہے

حُسن خود عشق کو تلاش کرے — ایسا بھی اک مقام آتا ہے

تھم گئیں گردشیں زمانے کی — کون مستِ خِرام آتا ہے

ہر گھڑی اُن کا ذِکر۔ اے شیدا!
اور بھی کوئی کام آتا ہے؟

○

کیا حُسن کو مطلب ہے شہیدانِ وفا سے؟
مرتا ہے تو مر جائے کوئی۔ اُس کی بلا سے

اشکوں سے عقیدت ہے تو آہوں سے محبّت
مانُوس ہیں عشاق اِسی آب و ہوا سے

دَر اصل کرم کے لئے رحمت بھی ہے بیتاب
کچھ بندہ ہی شرمندہ نہیں اپنی خطا سے

کِس جُرم پہ دوزخ کی سزا ہے مجھے؟ یا رب!
پتّے کو بھی جُنبش ہے تو ہے تیری رضا سے

ہر آبلۂ پا نے دِکھائیں مجھے آنکھیں
پھسلے جو قدم جادۂ منزل میں ذرا سے

دیوانے کے پیچھے نہ پڑیں شیخ و برہمن
دیوانے کو نسبت نہ بتوں سے۔ نہ خُدا سے

میرے لئے یہ دَیر و حرم سے بھی سوا ہے
اُٹھّے گا نہ اب سر ترے نقشِ کفِ پا سے

بہلیں گے نہ جامِ مئے گُل رنگ سے ہرگز
اے ساقیٔ گُل فام! تری دید کے پیاسے

اے شیخِ حرم! وعظ سُناتا ہے اُنہیں کیا؟
ہوش آتا ہے رِندوں کو مئے ہوش رُبا سے

کیا حشر ہو بیمار کا؟ اب دیکھئے شیدا!
صُورت ہے شِفا کی نہ دَوا سے، نہ دُعا سے

تین شعر

ہم نشیں! حالِ جانِ زار نہ پوچھ
آمد و شد نفس کی۔ تیغِ دو دَم

ہیں یہی پنج گنج میرے لئے
یاس۔ اندوہ، درد۔ رنج والم

اب مرے دِل کے حق میں اے شیدا!
کم نہیں جامِ جم سے ساغرِ سم

○

تمہارے حسنِ عالمگیر کی ہر سُو جو شہرت ہے
تمہیں اس کی خبر بھی ہے کہ یہ کِس کی بدولت ہے؟
لہُو سے مَیں نے سینچا گو چمن کے بُوٹے بُوٹے کو
مرے حِصّے میں کانٹے آئے ہیں۔ یہ میری قسمت ہے
ہمارے خواب تک رنگیں ہیں اُس گُل کے تصوّر سے
جو لطفِ وصل دیتی ہو وہ فرقت کیسی فرقت ہے؟
تسلّی بھی نہیں دیتے کبھی تم جھُوٹے وعدے سے
یہی مہر و مروّت ہے تو کیا مہر و مروّت ہے؟
بنی جاتی ہے میرے دَم پہ سوزِ دِل سے رہ رہ کر
الٰہی! یہ شبِ فرقت ہے یا روزِ قیامت ہے؟
اگر انسان ہی انسان کا دُشمن ہو دُنیا میں
تو یہ انسانیت ہرگز نہیں۔ وحشت ہی وحشت ہے
زمانے کی خُوشی کو ہم نے دیکھا ہر طریقے سے
نہ اِس میں کوئی راحت ہے۔ نہ اِس میں کوئی لذّت ہے

نہیں تم پاس تو دوزخ سے بدتر ہے مجھے دُنیا
یہی دُنیا اگر تم سامنے ہو۔ رشکِ جنّت ہے
لگانا دِل نہ دُنیا سے کبھی۔ پنے میں بھی شیدا!
یہ ظالم بے وُفا، بے مہر، بے دِل، بے مروّت ہے

چار شعر

دیکھ کر اپنا حُسن آئینے میں
حُسن ہے اپنے حُسن ہی پر غش
جب کبھی کعبے سے گھٹا اُٹھّی
شیخ صاحب بھی ہو گئے مے کش
دِل کی ظلمت بھی ہو گئی روشن
یاد آیا اگر کوئی مہ وش
جب غزل چھیڑتا ہوں اے شیدا!
ہر کوئی اس پہ کرتا ہے عش عش

○

کب یہ اُمید تھی ہمیں موسمِ خوش گوار سے؟
دِل کو ملیں گے لاکھ داغ اک گُلِ نو بہار سے

اب وہ نظر چرائیں گے چشمِ نظارہ جُو سے کیا؟
ہل گئیں حشر کی حدیں دامنِ انتظار سے

ملتے ہیں اس طرح فریب راہ رووں کو ہر قدم
کچھ نہیں کھلتا حالِ رہ۔ اُڑتے ہوئے غبار سے

عشق کے مرحلے ہیں سخت ٹھیک، مگر وفا پرست
ہنستے ہوئے گزرتے ہیں منزلِ تیغ و دار سے

ناک میں آ چکا ہے دم۔ آنکھوں میں جان آ چلی
آپ کے انتظار میں۔ آپ کے انتظار سے

گردشِ روزگار نے حشر اُٹھائے سینکڑوں
دب کے رہے نہ پھر بھی ہم گردشِ روزگار سے

وہ گُلِ نو بہار ہی جب نہیں زینتِ چمن
آگ لگے بہار کو۔ مجھ کو غرض بہار سے؟

اِس کی اُنہیں سمجھ نہیں۔ اُس کی اُنہیں سمجھ ہو کیا؟
حسن کی ساکھ ہے فقط عشق کے اعتبار سے
خاک سُنائیں حالِ دل۔ پُوچھ نہ اب مآلِ دل
رات دن اے ندیم! ہم رہتے ہیں بے قرار سے
دِل کی تمام خواہشیں راکھ بھی جل کے ہو گئیں
آگ برس رہی ہے اب دیدۂ اشکبار سے
شیدا! نظر نہ آئے نام کی یہ نمود بھی
دستِ جنوں کو لاگ ہے دامنِ تار تار سے

عذابِ عشق

اب دِلِ زار ہے رہینِ الم
اب دِلِ زار کو کہاں راحت؟
اب ہے عشق اک عذاب سے بھی سوا
یہ ہے زحمت، مصیبت اور آفت

○

کیوں اُس کی محبّت سے ہم انکار کریں گے؟
بن جائے گی دم پر بھی تو اقرار کریں گے

ظاہر یہ نظر سے، یہ عیاں چہرے سے ہو گا
مانا کہ ہم اُلفت کا نہ اظہار کریں گے

تدبیر کے اعجاز سے غافل تو نہیں ہم
سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کریں گے

اُس ماہ کے پُرنور تصوّر سے شبِ غم
ہم دِل کے سیہ خانے کو ضَو بار کریں گے

اے دیدۂ خونابہ فشاں! تیری بدولت
صحرا کو بھی ہم رشکِ گل زار کریں گے

ناقابلِ برداشت نہ کر ظُلم۔ کہ ہم بھی
ناقابلِ اظہار کا اظہار کریں گے

ہم جانتے ہیں اُن کی شکایت کا نتیجہ
یوں اور اُنہیں درپئے آزار کریں گے

یوں ہم سے چھپائے گا وہ کب تک رُخِ انور؟
محشر میں تو اُس شوخ کا دیدار کریں گے

وہ لاکھ ستم گار سہی۔ حضرتِ شیدا!
اب پیار کیا ہے تو اُسے پیار کریں گے

قطعہ

ترکِ اُلفت کے بعد بھی شیدا!
دل میں اُس کا خیال آتا ہے
جیسے ابرِ سیہ کے دامن میں
جلوۂ برق مسکراتا ہے

○

گزرے ہیں بار بار ہم ایسے مقام سے
دِل کانپ کانپ اُٹھے جہاں اُلفت کے نام سے

اے شیخ! میرے نام کو نسبت سی ہو گئی
صہبائے تلخ و تُند کے لبریز جام سے

ہر صبح منتظر رہے ہم اُن کے شام تک
پھر صُبح تک خیال رہا اُن کا شام سے

ہیں چشمِ حق نگر میں تو سب خاص و عام ایک
کیا چشمِ حق نگر کو غرض خاص و عام سے؟

میری زباں پہ نام ہے اب اُن کا رات دن
اِک دن میں آشنا بھی نہ تھا جن کے نام سے

دیکھا ہے جب سے اُس نے میری سمت اک نظر
سب لوگ دیکھتے ہیں مجھے احترام سے

دراصل کام کے ہیں وہی لوگ دہر میں
رکھتے ہیں کام جو فقط اپنے ہی کام سے

ساقی کی چشمِ مست سے ایسا ہُوں شاد کام
رہتا ہُوں بے نیازِ مئے لعل فام سے
شیؔدا کی بات بات میں ہے بات ہی کچھ اور
شاعر تو اور بھی ہیں بہت خُوش کلام سے

قطعہ

عالمِ بے خودی میں اے زاہد!
غم کا احساس کِس کو رہتا ہے؟
آتش تر ہے تلخ۔ تلخ سہی
دِل تو موجِ طرب میں بہتا ہے

○

اگر اُن کا رُخِ روشن تجلّی بار ہو جائے

کہاں کی دِید؟ عاشق کی نظر بیکار ہو جائے!

بڑی دشواریوں سے زندگی آسان ہوتی ہے

"اگر آسانیاں ہوں۔ زندگی دشوار ہو جائے"

نرالا ہے تری محفل کا یہ دستور۔ اے ساقی!

اُڑائے جائیں جس کے ہوش، وہ ہُشیار ہو جائے

نہ کھیلے جان پر اپنی تو آخر کیا کرے کوئی؟

اگر جینا کسی کے ہجر میں دشوار ہو جائے

حسینوں کی نظر کے تیر پر پھبتی نہ کس۔ واعظ!

مزا ہو یہ اگر تیرے جگر کے پار ہو جائے

جفاؤں پر جفائیں کیں۔ غموں پر غم دیئے مجھ کو

جو باقی اور بھی کچھ ہو۔ تو اے سرکار! ہو جائے

خُدا کا نام لے۔ اے ناخُدا! کیوں فکر میں گُم ہے؟

سفینہ غرق ہو تو میرا بیڑا پار ہو جائے

تیری محفل سیاست کا اکھاڑہ تو نہیں ساقی!
کوئی محروم رہ جائے۔ کوئی سرشار ہو جائے
جسے آرامِ جاں تو نے سمجھ رکھا ہے۔ اے شیدا!
وہی اُلفت نہ اِک دن جان کا آزار ہو جائے

بہاریں

سامانِ رنگ و بُو ہے بیاباں، بہاریں
طوفانِ رنگ و بُو ہے گلستاں، بہاریں
ہر خارِ دشت رُوحِ گلستاں، بہاریں
ہر برگِ باغ، خلد بداماں بہاریں
موجِ صبا ہے موجِ مئے ناب سے سوا
غنچۂ چمن کا رنگِ خمستاں بہاریں
لہرا رہا ہے شاخ پر ہر پھول اس طرح
جیسے وہ گُل بدن ہو خراماں بہاریں
یہ کس کی دُھن پہ رقص میں ہیں نخل و برگ و گُل
شیدا ہیں شاید آج غزل خواں بہاریں

○

دلِ ناقہمِ انساں کو حقیقت کا پتا کیا ہے؟
خُدا ہی کو خبر ہو گی۔ فنا کیا ہے؟ بقا کیا ہے؟

نظر انداز یکسر کر دیا میرے گناہوں کو
الٰہی! تیری اِس دریا دِلی کی انتہا کیا ہے؟

کرشمہ ہے یہ سب انسان کے اپنے تخیّل کا
نہیں تو کارگاہِ دہر میں اچّھا بُرا کیا ہے؟

نہ پُوچھو مجھ سے۔ اپنی چشمِ مستِ ناز سے پُوچھو
کرم کی ابتدا کیا ہے؟ ستم کی انتہا کیا ہے؟

سمجھتے ہوں جو ساحل، موج و گرداب و تلاطُم کو
تری امداد کی پروا انہیں اے ناخُدا! کیا ہے؟

وہ ناحق پُوچھتے ہیں میرے دِل کا مدعا مجھ سے
مجھے تو خُود نہیں معلوم، میرا مدعا کیا ہے؟

سمجھنا ہے فقط پیرِ مغاں راز حق و باطل
جنابِ شیخ کیا جانیں؟ بھلا کیا ہے بُرا کیا ہے؟

اگر ہر ذرّہ ہے آئینۂ حسنِ خدا یکسر
تو پھر حیرانگی کیسی کہ یہ سب ماسِوا کیا ہے؟

مری کشتی کو طوفانوں سے ہم آغوش ہونے دے
مجھے معلوم ہے۔ اے ناخدا! میرا خدا کیا ہے؟

ہنسی آئے نہ کیوں احباب کی کوشش پہ اے شیدا!
مریضِ عشق کے حق میں۔ دوا کیا ہے؟ دعا کیا ہے؟

پردا

اُس بُتِ ہوش رُبا نے پردا
رُخِ انور سے اُٹھا رکھّا ہے

غرقِ حیرت ہے دلِ دید طلب
پھر بھی جلوے کو چھپا رکھّا ہے

بات بس اتنی سی ہے۔ اے شیدا!
اب یہ آنکھوں پہ گرا رکھّا ہے

○

چارہ گر بھی جسے نہ پہچانے
آج اُس حال میں ہیں دیوانے

دُکھ نہیں دیتے اتنا بیگانے
جتنا دیتے ہیں جانے پہچانے

عشق نے خونِ دل سے لکھّے ہیں
جس قدر ہیں وفا کے افسانے

میری بربادیوں پہ ہنس ہنس کر
خوب ڈھایا ہے حشر دنیا نے

کون کھاتا ہے غم غریبوں کا؟
کون سُنتا ہے غم کے افسانے؟

اپنی دیوانگی پہ میں قرباں
مجھ کو آئے ہیں خود وہ سمجھانے

اپنے دامن سے اُس نے جب پونچھا
بن گئے میرے اشک دُر دانے

شمع اپنی ضیا پہ ہنستی رہی
جل کے ٹھنڈے ہوئے جو پروانے

وہ نظر جب اُٹھی ہے۔ اے شیدا!
بہہ گئے ہیں ہزار مے خانے

○

کیا غم ؟ نہیں روشن جو فضا نورِ قمر سے
روشن ہے شبِ ہجر مرے داغِ جگر سے

اک وہ جو رہے شاد ترے لطفِ نظر سے
اک ہم جو ہمیشہ ترسے دیدار کو ترسے

جلوؤں کو خدا کے لئے ارزاں نہ کریں آپ
معذور ہوں میں تنگیٔ دامانِ نظر سے

ہر ذرّہ منوّر ہے تو ہر چیز معطّر
وہ ماہِ گل اندام نہ گزرا ہو اِدھر سے

کودا کوئی شعلوں میں، چڑھا دار پہ کوئی
بیگانہ ہیں عشّاق کے دِل خوف و خطر سے

جس راہ گزر سے مجھے سب روک رہے ہیں
اِک دن سبھی گزریں گے اُسی راہ گزر سے

بے تاب اِدھر میں ہوں پریشان ہیں اُدھر وہ
معلوم نہیں آگ لگی ہے یہ کدھر سے ؟

اے خضر! ہے دشوار بہت منزلِ اُلفت
تھک جائیں اگر پاؤں تو کٹتی ہے یہ سر سے

کیا کہتے ہو تم عشق، وفا کیش نہیں ہے؟
شیدا کا فسانہ کبھی گزرا ہے نظر سے؟

جلوۂ بہار

ہر گُل پہ رنگ رُوپ۔ تو ہر خار پہ نکھار
اللہ رے یہ عالمِ رنگینیٔ بہار!
گُلشن کا ہر نظارہ ہے فردوسِ در کنار
یالا کہیں صفت سے ہے ہر خوبیٔ بہار!
ہر شاخ عطر بیز ہے۔ ہر برگ مُشک بار
دیکھے تو کوئی جلوۂ نیرنگیٔ بہار!
ہے دیدنی جمالِ گُل و نرگس و سمن
شیدا! نظر فروز ہے کیا شوخیٔ بہار!

○

آہ دِل با اثر نہ ہو جائے | دہر زیر و زبر نہ ہو جائے
اے دلِ زار! ضبط لازم ہے | اُن کی بھی آنکھ تر نہ ہو جائے
چارہ گر! عشق دردِ دِل تو ہے | یہ کہیں دردِ سر نہ ہو جائے
ایک پردہ ہے اشتیاقِ دید | حُسن کی دید ور نہ ہو جائے
دُور ہرگز نہیں ہے منزلِ عشق | خِضر اگر ہم سفر نہ ہو جائے
اپنی آنکھیں بھی سی کے رکھ۔ اے عشق! | اک جہاں کو خبر نہ ہو جائے
بزمِ اغیار ہے۔ سنبھل۔ اے دل! | دیکھ! اب آنکھ تر نہ ہو جائے
جل نہ اُٹھے کہیں وہ پردۂ رُخ | سوزِ دِل کارگر نہ ہو جائے

گم رہی میں بھی لُطف ہے شیدا!
یہ اگر راہ بر نہ ہو جائے

○

کلیسا و دیر و حرم چھوڑ آئے
محبت میں کیا کیا نہ ہم چھوڑ آئے

کہاں تاب ہے ہم کو لطف و کرم کی؟
کہاں تم وہ جور و ستم چھوڑ آئے؟

درِ مے کدہ پر رمائیں گے دھونی
ہم اب آستانِ حرم چھوڑ آئے

جنہیں شوقِ منزل رسی نے ابھارا
وہ ہر راہ کے پیچ و خم چھوڑ آئے

حرم سے سوا ہے وہ خاکِ مقدس
جہاں تم نقوشِ قدم چھوڑ آئے

جنہیں تیری نظروں سے مطلب ہے ساقی!
وہ آئینۂ جامِ جم چھوڑ آئے

تمہیں اب ہمارے تعاقب سے حاصل؟
تمہیں ہم تمہاری قسم چھوڑ آئے

کششِ بزمِ ہستی کی تھی جذب ساماں
ہم آخر سکونِ عدم چھوڑ آئے

محبت کے عرفاں پہ شیدا ہیں اب ہم
شریعت کے رسمی بھرم چھوڑ آئے

○

آج ہم واقف ہوئے ہیں عشق کے اعجاز سے
دل کی دھڑکن مل گئی آخر تری آواز سے
رفتہ رفتہ خود ہی آجائیں گے آدابِ نیاز
حُسن کو پہلے گزر لینے دو حدِّ ناز سے
تو مرے دل کی خموشی پر نہ جا۔ اے بے خبر!
سیکڑوں نغمے نکلتے ہیں اسی اک ساز سے
خاک کے ذرّے کو کر دیتا ہے تارا عرش کا
آشنا ہیں اہلِ دل، اس عشق کے اعجاز سے
یہ گماں ہوتا ہے دُنیا خود ترانہ بن گئی
کس نے چھیڑا میرے سازِ دل کو اس انداز سے؟
اس کا مذہب۔ اس کا دین ایثار ہی ایثار ہے
عشقِ صادق سربسر بالا ہے حرص و آز سے
ہر چٹک غنچوں کی، بُلبُل کو ہے پیغامِ سروش
لیکن انساں بے خبر ہے اِس نوائے راز سے

لُطف بھی ہے رُوح پرور۔ قہر بھی ہے دِل نواز

ہم بہت خوش ہیں تمہاری ہر ادائے ناز سے

عشق نے شیدا! اُٹھا ڈالے حجاباتِ دُوئی

اُن کی آواز آ رہی ہے میرے دِل کے ساز سے

رُباعی

ہر روز بلندی پہ ہے اپنی پستی

ہے بھوک سے بھرپُور یہاں ہر بستی

اس دَور کا اب حال نہ پوچھ۔ اے ہمدم!

روٹی ہے گراں اور ہے صہبا سستی

○

کیوں ڈریں وہ گردش ایام سے ؟ — جو ہیں وابستہ تمہارے نام سے
کوستے ہیں رات دن قسمت کو ہم — تنگ آکر گردشِ ایام سے
دِل بِچھا جاتا ہے اُن کی راہ میں — بے خبر آغاز سے ، انجام سے
مے کدہ ہیں ۔ مے فروش آنکھیں تِری — ساقیا ! پینے نہیں ہم جام سے
صبح سے ہُوں آہ برلب شام تک — صبح تک رہتا ہُوں گریاں شام سے
بندۂ آزاد کا مذہب ہے عشق — کفر سے مطلب نہ کچھ اسلام سے
کامرانی کیوں نہ لے اُن کے قدم ؟ — کام جو رکھتے ہیں اپنے کام سے
مست ہُوں اُس چشمِ مستِ ناز کا — کیا غرض مجھ کو مئے گُل فام سے

جور سہہ کر کیجئے اُن سے وفا
رکھئے شیداؔ ! کام اپنے کام سے

○

نہ جا یُوں چُرا کر نظر جانے والے!
ابھی جان دے دیں گے مر جانے والے
ذرا دیکھ لے میری بے تابیاں بھی
مرے دل کو بے تاب کر جانے والے!
محبّت کی راہیں بڑی پُر خطر ہیں
چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے
ترا وعدۂ حشر بھی ٹل نہ جائے
ہر اک وعدہ کر کے مُکر جانے والے!
محبّت میں مرنا مُصیبت نہیں ہے
گزرتے ہیں جی سے گزُر جانے والے
وفاؤں کی طاقت سے ہم آشنا ہیں
نہیں ہم جفاؤں سے ڈر جانے والے
محبّت میں ہم جان پر کھیلتے ہیں
وہ ہوں گے کوئی اور، ڈر جانے والے

تیرے لُطف کے آسرے جی رہے ہیں
محبّت میں حد سے گُزر جانے والے
بھٹکتے رہے اپنی منزل سے شیدا!
اِدھر جانے والے، اُدھر جانے والے

شعر

سینہ روشن ہے دِل کے داغوں سے
اِس میں رونق ہے اِن چراغوں سے

آنکھ بے نم، زباں پہ مہر سکوت
حالِ دل آشکار ہو کیوں کر؟

ہے اگر اب وقفِ رنج و غم، تو ہو
ہو گیا دِل جس پہ شیدا ہو گیا

قیامت ہیں ٹوٹے قیامت بلا سے
مگر گفتگو تو رہے گی خدا سے

خدا تک رسائی کے دعوے ہیں جن کو
وہی دور ہیں درحقیقت خدا سے

خود اُس کے قدم مدعا چومنے گا
اگر ہاتھ اُٹھا لے کوئی مُدعا سے

خدا جانے کیسی ہے یہ چارہ سازی!
مرض بڑھ رہا ہے برابر دوا سے

کئے جاؤ گے جھوٹے وعدے کہاں تک؟
کہاں تک دیئے جاؤ گے یوں دلاسے؟

چھڑکتا رہا جان میں جن پہ ہر دم
وہی نکلے میرے لہو کے پیاسے

ابھی دِل کو حسرت ہے جَور و جفا کی
نہ کھینچو ابھی ہاتھ جَور و جفا سے

اِسی کو سمجھتا ہُوں مَیں اپنا کعبہ
نہ اُٹھّے گا سَر اب تِرے نقشِ پا سے

ہمیں عُذر کیا جان دینے میں شیدا!
وہ چاہیں تو ہم موڑلیں مُنہ خُدا سے

شعر

چشمِ نرگس اِک ایسا کاسا ہے
کیف جس میں شراب کا سا ہے

جن کو نسبت ہی نہیں شعر و سخن سے شیدا!
تنگ آجائیں گے وہ قافیہ پیمائی سے

○

شیخ لطفِ مجاز کیا جانے؟ | وہ حقیقت کا راز کیا جانے؟
کفر کیا شے ہے؟ دین ہے کیا چیز؟ | عاشقِ بے نیاز کیا جانے؟
ناز ہو جس کو ناز کرنے پر | وہ دفا رِ نیاز کیا جانے؟
عالمِ انتظار کیا کچھ ہے | اس کو وہ حیلہ ساز کیا جانے؟
دل پہ جو عشق نے بنا دی ہے | وہ مرا دِل نواز کیا جانے؟
جس نے سجدہ کیا نہ ساقی کو | وہ سرورِ نماز کیا جانے؟
ناز اُس کا ہے کس قیامت کا | وہ قیامت طراز کیا جانے؟

بے نیازی ہو جس کی خو، شیدا!
وہ ادائے نیاز کیا جانے؟

ایک شعر

زباں جس کے اظہار میں چپ رہی
نظر نے وہ سب رازِ دل کہہ دیا

○

دُور مرکز سے مرا دِل نظر آتا ہے مجھے

اُن کا مِلنا ابھی مشکل نظر آتا ہے مجھے

مرحلہ اور بھی مشکل نظر آتا ہے مجھے

خِضرِ بے گانۂ منزل نظر آتا ہے مجھے

ہر سِتم سہنا ہے ۔ ہر جَور اُٹھا لینا ہے

اب یہ دِل عشق میں کامل نظر آتا ہے مجھے

رنگ لائی تری دُز دیدہ نگاہی کیسا!

سب کی آنکھوں میں مرا دِل نظر آتا ہے مجھے

کِس سے سیکھے کوئی اب بادہ کشی کے آداب؟

پیرِ مے خانہ بھی غافل نظر آتا ہے مجھے

مجھ کو چھوڑے گی کہیں کا نہ مِری سادہ دلی

راہ زن، رہبرِ کامل نظر آتا ہے مجھے

وہ چمکتی ہے تو اِس میں بھی کسک ہوتی ہے
برق تک سلسلۂ دِل نظر آتا ہے مجھے

جادۂ شوق کا طے کرنا بھی دشوار ہُوا
اِس کا ہر مرحلہ مشکل نظر آتا ہے مجھے

تھا غمِ عشق کبھی آفتِ جاں۔ اے شیدا!
اب تو یہ زیست کا حاصل نظر آتا ہے مجھے

دو شعر

عبارت آدمیت سے ہے انساں
نہ ہو انسانیت تو آدمی کیا؟

ہوا عزمِ عدم آباد پختہ
ہوئے یوں سیر، ہم سیرِ جہاں سے

ہم اہلِ خرد کی باتوں سے کچھ چین جہاں میں پا نہ سکے
آج ایسی پلا دے۔ اے ساقی! تا حشر ہمیں ہوش آ نہ سکے

حائل تھی اِدھر خُودداریٔ دل، مانع تھا غرورِ حُسن اُدھر
محرومیٔ قسمت کیا کہیئے؟ ہم جا نہ سکے! وہ آ نہ سکے!

ترکِ اُلفت کی باتیں تو سمجھائیں بہت ناصح نے ہمیں
جینے کا سہارا کیا ہو گا۔ یہ بات ذرا سمجھا نہ سکے

ہے کُفر دیارِ اُلفت میں غم کے ہاتھوں نالاں ہونا
وہ نامِ محبّت ہی کیوں لے۔ جو تابِ غموں کی لا نہ سکے؟

دِل سنگ دِلوں سے جب اُلجھے۔ قیمت اس کی بڑھ جاتی ہے
اُس شیشے کی ہے قدر ہی کیا؟ جو پتھّر سے ٹکرا نہ سکے

دِل کی دھڑکن پر ہوتا ہے دھوکا قدموں کی آہٹ کا
آواز تو آتی ہے پیہم۔ پھر کیوں وہ ابھی تک آ نہ سکے؟

اُلجھی ہُوئی گُتھی ملنے کی کِس طَور سُلجھتی ؟ اے ہمدم!
کچھ ہم سے کوشش ہو نہ سکی۔ کچھ زحمت وہ فرما نہ سکے
کیا کیا نہ ستم ہم پر ڈھائے اپنوں نے کرم کے پردے میں!
پھر بھی ہم اس کا شکوہ تک اک بار زباں پہ لا نہ سکے
وہ اِس سے زیادہ کیا کرتے شیدا! تیری غم خواری میں
آنسو تو بہائے آنکھوں سے۔ کچھ مُنہ سے اگر فرما نہ سکے

ایک مطلع

تھپیڑے موجِ غم کے سہہ رہے ہیں
ہم امواجِ خوشی میں بہہ رہے ہیں

ایک مقطع

حضرتِ شیدا! نہ ہو کوئی بھی ایسا ذی شعور!
موجِ صرصر کو بھی ہم موجِ صبا کہتے رہے

نظمیں

تُم

وہ جوت پیار کی دِل میں جلا رہی ہو تُم
اندھیرے گھر کو مرے جگمگا رہی ہو تُم
تمہارے جلوؤں میں گُم ہو کے رہ گیا ہوں مَیں
کچھ اِس طرح مری دُنیا پہ چھا رہی ہو تُم
ہوائیں روح فزا ہیں۔ گھٹائیں ہوش رُبا
غضب ہے ایسے میں پھر یاد آ رہی ہو تُم
بہار چھا گئی ہر چیز پر نکھار آیا
ضرور آج کہیں مُسکرا رہی ہو تُم
نظر سے دُور سہی۔ دِل تو یہ سمجھتا ہے
مرے قریب، مرے پاس آ رہی ہو تُم
حواس کِس لیئے پَر تولتے ہیں رہ رہ کر؟
نگاہِ مست سے یہ کیا پلا رہی ہو تُم!

مری تباہ سی، بے رنگ و بُو سی دُنیا کو
خُوشی کے گیت کی دُنیا بنا رہی ہو تُم

تمہارا رشتہ مرے ساتھ ازل سے قائم ہے
جنم جنم سے مرے ساتھ آ رہی ہو تُم

مجھے خبر نہیں۔ مَیں ہُوں بھی یا نہیں ہُوں مَیں
نظر میں، روح میں دِل میں سما رہی ہو تُم

گرا کے حُسنِ جہاں کو میری نگاہوں سے
مجھے بس اپنا ہی شیدا بنا رہی ہو تُم

حُسنِ تشنہ

(۱)

اِک حسینہ ۔ باغِ جنّت کی کَلی
لُطف سے آغوشِ راحت کی پلی
جس کی آنکھوں میں شرابِ ارغواں
جس کا رُخ ہم تابِ مہرِ ضَو فشاں
جس کے چہرے پر مۂ کامِل نثار
جس کی زُلفوں سے گھٹائیں شرم سار
جس کا زیرِ لب تبسُّم دِل رُبا
جس کی نظروں کے اِشارے جاں فزا
جس کے جوبن میں قیامت کا اُبھار
جس کے عشوے فتنہ زا و حشر کار
جس کی چال اک نغمۂ راحت رساں
جس کے قدموں میں بہشتِ جاوداں

جس کے اک اک انگ میں سو رنگ ہیں
جس کی رعنائی پہ حوریں دنگ ہیں
جس کی انگڑائی کا ہے ایسا سماں
جس سے شرمندہ ہے اِندر کی کماں
جس کا پانی بھر رہے ہیں مہر و ماہ
جس کی خاطر دیدہ و دِل فرشِ راہ
جس کے آنچل کی اڑانیں زر فشاں
جس کی سانسوں سے فضا عنبر فشاں
دیکھ کر جس کا جمالِ بے مثال
محوِ حیرت خود ہے شاعر کا خیال
جس کا اک اک عضو سو اعجاز ہے
جس کی صنعت پہ خدا کو ناز ہے
جو دو عالم کی ہے اک تصویر بھی
جو خدا کے خواب کی تعبیر بھی

(۲)

لڑکھڑاتی آ رہی ہے راہ میں
گنگناتی جا رہی ہے چاہ میں

تاکتی ہے راہیوں کو ناز سے

ہنس رہی ہے دِل رُبا انداز سے

کر رہی ہے کب سے وہ اٹھکیلیاں

کر رہی ہے سب سے وہ اٹھکیلیاں

الغرض زنجیر و دام، اِک اِک ادا

دعوتِ حُسنِ تمام اِک اِک ادا

نیک و بد اُس کے لئے سب نیک ہیں

شور و نغمہ اُس کو دونوں ایک ہیں

اُس کو خویش و غیر کا دھڑکا نہیں

حفظِ عصمت کی کوئی پروا نہیں

کون سمجھائے ؟ ”فسوں گر ! ہوش کر !

اے جمالِ فتنہ پرور ! ہوش کر !

وقت ہے اب بھی سنبھل ! آثار دیکھ !

آج کے حالات کی رفتار دیکھ !“

اگر تم کہو

(۱)

مری زندگی کی تمنا یہی ہے
اگر تم کہو میں ذرا مسکرا لوں
تصوّر کا ایوانِ دلکش سجا لوں
خیالی محبت کی دنیا بسا لوں

(۲)

سنا ہے کہ ساون کی رت آگئی ہے
اگر تم کہو، آبشاروں سے کھیلوں
ہواؤں کو چھیڑوں پھواروں سے کھیلوں
گلستاں کی رنگیں بہاروں سے کھیلوں

(۳)

خدا جانے اب مجھ کو کیا ہو گیا ہے
اگر تم کہو دِل کو آباد کر لوں
تمہاری عنایات کو یاد کر لوں
یونہیں اپنے جی کو ذرا شاد کر لوں

(۴)

میرے دل پہ چھائی ہوئی ہے اُداسی

اگر تم کہو، مَیں کوئی شعر کہہ لوُں

خیالوں کی موجوں میں کچھ دیر بہہ لوُں

تمہاری جُدائی کے صدموں کو سہہ لوُں

(۵)

خدا جانے، پھر ابر چھائے نہ چھائے

اگر تم کہو گھُونٹ دو گھُونٹ پی لوُں

اِسی طور کچھ دِل کے زخموں کو سی لوُں

گھڑی دو گھڑی غم غَلط کر کے جی لوُں

(۶)

بَس اب ضبطِ اُلفت کا یارا نہیں ہے

اگر تم کہو تو یہ ایثار کر دُوں

مَیں شیدا ہوُں، آج اِس کا اظہار کر دُوں

خُود اپنی زباں کو گنہ گار کر دُوں

تمہاری جُدائی غضب ڈھا رہی ہے

(۱)

فلک پر نشیلی گھٹا چھا رہی ہے
معطّر معطّر ہوا آ رہی ہے
مسرت سے رقصاں ہیں پھول اور کلیاں
فضائے چمن کیف برسا رہی ہے
مگر حال کچھ میرے دل کا نہ پوچھو
تمہاری جدائی غضب ڈھا رہی ہے!

(۲)

بہاریں غزل خواں گلستاں گلستاں
چمن در چمن سو تبسّم کا ساماں
جواں ہے اک اک جلوۂ روح پرور
اک اک سمت ہے کیف و مستی کا طوفاں
نہ پوچھو مگر حال میرا نہ پوچھو
تمہاری جدائی غضب ڈھا رہی ہے!

(۳)

عیاں ہر طرف جلوۂ حسنِ رعنا
رواں جا بہ جا عیش و عشرت کے دریا
زمانے پہ طاری ہے فرحت کا عالم
مگر کچھ عجب ہے میرے دل کا نقشا
نہ پوچھو خدا را۔ خدا را نہ پوچھو
تمہاری جدائی غضب ڈھا رہی ہے!

(۴)

خدا جانے، دیکھی گئیں کتنی راہیں
رہیں پھر بھی پیاسی کی پیاسی نگاہیں
تجسّس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا
وہی گرم آنسو، وہی سرد آہیں
مری بدنصیبی کا قصّا نہ پوچھو
تمہاری جدائی غضب ڈھا رہی ہے!

(۵)

مری شاعری کی جوانی تمہیں ہو
میری زندگی کی کہانی تمہیں ہو

مِرے سازِ دل سے نکلتے ہیں نغمے
جو اُن میں ہے شے غیر فانی۔ تمہیں ہو
مِرے واسطے تم ہو کیا کیا، نہ پوچھو
تمہاری جُدائی غضب ڈھا رہی ہے!

(۶)

یہ باغِ جہاں رشکِ باغِ عدن ہے
اِک اِک گُل میں سَو سَو نیا بانکپن ہے
جوانی پہ ہے چاند تاروں کی محفل
فضا سر بسر ضَو فشاں۔ سیم تن ہے
مگر جاں بہ لب کیوں ہے شیدا؟ نہ پوچھو
تمہاری جُدائی غضب ڈھا رہی ہے!

(۷)

تمہاری نزاکت، تمہارا اِشارا
تمہاری زیارت، تمہارا نظارا
تمہاری محبّت، تمہاری مروّت
تمہارا بھروسہ، تمہارا سہارا
بس اب اور دِل کی تمنّا نہ پوچھو
تمہاری جُدائی غضب ڈھا رہی ہے!

مہجور کی بہار

(۱)

فضائے غنچہ و گُل دِل ستاں معلوم ہوتی ہے
ادائے خار و خس جنّت نشاں معلوم ہوتی ہے
ہوائے کوہسار آرامِ جاں معلوم ہوتی ہے
بہارِ اب دشت پر بھی حکمراں معلوم ہوتی ہے
یہ دُنیا، ہاں یہ دُنیا، نوجواں معلوم ہوتی ہے

(۲)

کہیں عُنواں لطافت کے ہیں جاں پرور ہواؤں میں
کہیں طوفاں مسرّت کے ہیں خُوش منظر گھٹاؤں میں
کہیں ساماں نزاکت کے ہیں ضو پیکر فضاؤں میں
غرض کیا کیا ہیں جلوے حُسنِ فطرت کی اداؤں میں
ہر اک شئے امن و راحت کا نشاں معلوم ہوتی ہے

(۳)

بہارِ دل کُشا پیغام لائی ہے مسرّت کا

یہ کہتی ہے کہ موسم آ گیا عشق و محبّت کا
رواں ہے ہر طرف سکّہ جمال و رنگ و نکہت کا
زمانہ آ گیا گویا نشاط و عیش و عشرت کا
یہ دُنیا غیرتِ باغِ جناں معلوم ہوتی ہے

(۴)

ہُوئی افسردگی کافور۔ اُمنگوں پر شباب آیا
طرب افزا ضیا آئی۔ جنُوں پرور سحاب آیا
جمی رِندوں کی محفل۔ دور میں جامِ شراب آیا
زمانے میں عجب انداز سے یہ انقلاب آیا
ہمیں گردش فلک کی مہرباں معلوم ہوتی ہے!

(۵)

مگر میرے لئے یہ صبحِ رنگیں، شامِ غُربت ہے
اسی طوفانِ رنگ و بُو میں پنہاں لاکھ آفت ہے
دلِ پُر درد ابھی تک بستۂ زنجیرِ فرقت ہے
کسی گُل رُخ کی یادِ رُوح فرسا کیا قیامت ہے!
یہ فصلِ گُل مجھے فصلِ خزاں معلوم ہوتی ہے

ترے بغیر!

اب زندگی کا لطف کہاں ہے ترے بغیر؟
بے کیف رنگِ کون و مکاں ہے ترے بغیر!

تجھ سے ہر اک خیال حسین و جمیل تھا
اب آرزو بھی بارِ گراں ہے ترے بغیر!

ہر منزلِ حیات منوّر تھی تیرے ساتھ
تاریک ہر مکان و زماں ہے ترے بغیر!

طوفاں اُمڈ رہے ہیں دِل بے قرار میں
آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہے ترے بغیر!

وہ میرا گھر جو غیرتِ فردوس تھا کبھی
دوزخ اب اُس میں شعلہ فشاں ہے ترے بغیر!

رنگینیٔ بہار تھی جس دل میں جلوہ ریز
اب اُس میں دورِ فصلِ خزاں ہے ترے بغیر!

باقی رہی نہ ساغر و مینا میں دِل کشی
بے کیف بزم پیرِ مغاں ہے ترے بغیر!
دِل بن چکا ہے مسکنِ سوزِ غمِ فِراق
سینہ جواب برقِ تپاں ہے ترے بغیر!
شیدا پھر اپنا حال کہے بھی تو کیا کہے؟
خاموش لب ہیں۔ بند زباں ہے ترے بغیر!

چار شعر

یا مرے دردِ دِل کی دوا کیجئے
یا دُعا، ہاں، دُعائے قضا کیجئے
یا صنم خانہ بھی حق سے محروم ہو
یا حرم کو بھی حق آشنا کیجئے
یا رہے کور ہی چشمِ ذوقِ جنوں
یا خِرد کو بھی منزل رسا کیجئے
یا وفا سے بھی رکھئے کوئی واسطہ
یا جفا ہی، جفا ہی، جفا کیجئے

مست نگاہ

کب ہیں نہ رہا دقفِ غمِ و رنج و الم ؟
اِک جانِ حزیں اور ہزار دل ہی ستم !
دیکھا نہیں آنکھوں سے کبھی جامِ شراب
واعظ ! مجھے اُن مست نگاہوں کی قسم

گھن گھور گھٹائیں

پھر موج پہ سرمست ہوائیں آئیں
پھر جھوم کے گھن گھور گھٹائیں آئیں
پھر خرمنِ توبہ پہ گرے گی بجلی
اَے شیخ ! بلاؤں پہ بلائیں آئیں

صبحِ رِندی

اے شیخ ! کہاں اپنی خبر ہوتی ہے ؟
کب دِین پہ ، دُنیا پہ نظر ہوتی ہے ؟
جب بانگِ اذان آتی ہے دن ڈھلتے ہی
مے خانے میں رِندوں کی سحر ہوتی ہے

غمِ فرقت

فُرقت کے غم و رنج کا چارا کرلُوں
زہراب کا پینا ہی گوارا کرلُوں
جب مجھ سے کنارا ہی کیا ہے تم نے
کیوں مَیں بھی نہ دُنیا سے کنارا کرلُوں؟

ضیائے چشم

جس وقت کوئی اُن کی خبر آتی ہے
سینے کی ہر اک چوٹ اُبھر آتی ہے
آنکھوں کا وہی نُور تھے۔ وہ جب سے گئے
دُنیا مجھے تاریک، نظر آتی ہے!

طوفانِ بہار

یہ پھُولوں کی مہکار۔ یہ کلیوں کی قطار
ہر سُو یہ اُمڈتا ہُوا طوفانِ بہار
دریائے مئے ناب بہادے۔ ساقی!
پیغامِ جنُوں خیز ہے گلبانگِ ہزار

فطرت کی ادائیں

پھر آئی ہیں سرمست ہوائیں۔ ساقی!
پھر چھائی ہیں گھن گھور گھٹائیں۔ ساقی!
کس فکر میں ڈوبا ہے۔ ذرا غور تو کر
کیا لائی ہیں فطرت کی ادائیں؟ ساقی!

جانِ وفا

سینے کے ہرے زخم دکھاؤں کیوں کر؟
رُودادِ غمِ عشق سُناؤں کیوں کر؟
میں آپ تو روتا ہُوں کہ مجبُور ہُوں میں
اے جانِ وفا! تجھ کو رُلاؤں کیوں کر؟

جذباتِ عشق

ہر روز کے حالات بنا دیتے ہیں
بدلے ہُوئے دن رات بنا دیتے ہیں
محبُوب کی جانب سے کرم ہے کہ ستم
خُود اپنے ہی جذبات بنا دیتے ہیں

اُس روز

معمورِ ضیا دہر کا ہر ذرّہ تھا
جذبات میں طوفان عجب برپا تھا
اُس روز کہ جب تم نے ذرا شرما کر
دُزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا

اِنسان

تدبیر کے اعجاز دکھا سکتا ہے
بگڑی ہوئی تقدیر بنا سکتا ہے
جو بار فرشتوں سے اُٹھایا نہ گیا
اُس بار کو انسان اُٹھا سکتا ہے

رَوشنیٔ نَو

اِخلاص و مروّت کا یہاں نام نہ لو
اخلاق و شرافت کا یہاں نام نہ لو
اب روشنیٔ نو کا تقاضہ ہے یہی
پاکیزہ محبّت کا یہاں نام نہ لو

دُنیا کا سفر

درد و غم و اندوہ کا ساماں دیکھا
ہر گام پہ آفت کو خراماں دیکھا
دُنیا کا سفر ہے کہ قیامت یارب!
ہر ذرّہ یہاں حشر بہ داماں دیکھا

اندیشۂ آلام

ناکامیٔ پیہم ہے اک اک کام کے ساتھ
سَو ٹھوکریں وابستہ ہیں ہر گام کے ساتھ
غم خانۂ عالم میں ہے آرام کہاں؟
آلام ہی آلام ہیں، آرام کے ساتھ

احباب

ہر بات میں بدنام کیا کرتے ہیں
بدنام سَرِ عام کیا کرتے ہیں
احباب سے کس بات کا شکوہ؟ شیدا!
احباب یہی کام کیا کرتے ہیں

بزمِ جہاں

گو بزمِ جہاں ہم نے نرالی دیکھی
جو شکل یہاں دیکھی سوالی دیکھی
شیدا! جسے سمجھے تھے حیاتِ جاوید
موہوم سی تصویرِ خیالی دیکھی

بادۂ گُل فام

ہو عمر بسر بادۂ گُل فام کے ساتھ
پیمانہ و مینا و خُم و جام کے ساتھ
ساقی کی عنایت ہو اگر۔ اے شیدا!
ہم اُڑتے رہیں حافظ و خیّام کے ساتھ

مے نوش

مَے نوش بھی غم کوش رہے۔ کیا معنی؟
آفت سے ہم آغوش رہے۔ کیا معنی؟
مَے خانے میں رہ کر بھی اگر۔ اے شیدا!
تو عیش فراموش رہے۔ کیا معنی؟

میں

یہ کون کہے؟ ہُوں ہی نہیں یا ہُوں میں
آپ اپنی نگاہوں میں معمّا ہُوں میں
سمجھے گا مجھے کون یہاں؟ اے شیدا!
سمجھا نہیں مَیں خود بھی ابھی "کیا ہُوں میں"؟

مَیں

جلوہ ہُوں کہ پردہ ہُوں کہ سایہ ہُوں میں
ہو اور نہ ہو جو۔ وہ کرشمہ ہُوں میں
صُورت ہُوں کہ ہُوں نقش کہ عکس۔ اے شیدا!
کھُلتا نہیں۔ کیا طرفہ تماشہ ہُوں میں!

مَیں

نکلے نہ جو دل سے وہ تمنّا ہُوں میں
مُدّت ہوئی محروم تماشا ہُوں میں
بے کار ہے تدبیر کا کھیل۔ اے شیدا!
تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا ہُوں میں

قطعات

دوستی

دُشمنی ہو تو کوئی بات نہیں
مَیں تو اب دوستی سے ڈرتا ہُوں
کِتنی حیرت ہے آدمی ہو کر
سائے سے آدمی کے ڈرتا ہُوں

دوست

مُجھ کو وہ دُکھ دیئے ہیں اپنوں نے
اب مَیں ہر آشنا سے ڈرتا ہُوں
دُشمنوں کی جفا کا خوف نہیں
دوستوں کی وفا سے ڈرتا ہُوں

آستینوں کے سانپ

دوست نکلے ہیں آستینوں کے سانپ
بے طرح سرکشوں سے ڈرتا ہُوں
جان و دِل سے مَیں جن پہ مرتا تھا
اب اُنہیں مہ وشوں سے ڈرتا ہُوں

دِل کی بات

دِل پہ جو عشق میں گزرتی ہے
مَیں وہی واردات کہتا ہُوں
کیوں نہ ہر دِل میں وہ اُتر جائے
دِل سے مَیں دِل کی بات کہتا ہُوں

خوابِ بیداری

یہ تکبّر، یہ خُودی اور یہ نخوت کب تک؟
ناز کب تک یہ خرد مندی و ہُشیاری کا؟
ہے حقیقت میں یہ خالق کی عجب جلوہ گری
زندگی ورنہ فقط خواب ہے بیداری کا

جنُونِ دید

لو پھر کسی خیال سے آنکھ اشک بار ہے
لو پھر کسی کی یاد میں دِل بے قرار ہے
لو پھر کسی کی دید کی اُمید ہو گئی
لو پھر کوئی جنُوں مِرے سَر پر سوار ہے

نغمۂ روح

شاخِ طوبےٰ پر پہنچ جاتے ہیں ہم اک جست میں
کون واقف ہے ہماری قوّتِ پرواز سے؟
رُوح کی خاموشیوں میں محو ہو کر سُن ذرا
سیکڑوں نغمے نکلتے ہیں اسی اِک ساز سے

وہ رشکِ قمر

کسی رشکِ قمر کی روشنی سے
منوّر ہیں مرے جیون کی راہیں
مزہ ہو دل بھی مل جائے جو دل سے
نگاہوں سے تو ملتی ہیں نگاہیں

عشق کی کائنات

یوں تو ہے وہ بیان سے باہر
اور سوچیں تو بات اِتنی ہے
چند سرد آہیں، چند گرم آنسو
عشق کی کائنات کِتنی ہے!

تقاضائے وقت

پھر اُٹھی ہے ہمالیہ سے گھٹا

پھر چلی ہے ارم سے مست ہوا

دامنِ کوہ ، دامنِ گل چیں

نغمۂ جوئے بار۔ ہوش رُبا

مے کدہ ہے چمن۔ سبُو، غنچے

موجِ صہبا ہے یا ہے موجِ صبا؟

کیف سامان، مناظرِ قدرت

پُر ضیا دہر کی ہر ایک فضا

دُور تیری بلائیں۔ پیرِ مغاں!

اپنی اُمت کی تو بھی خبر منا

ساقیؔ کا فیض و کرم

ساقیا اِ مے سے اب کسے مطلب؟
لاکھ گُل رنگ ۔ لالہ فام ہُوئی
غم رُبا ہے وہ نرگسِ شہلا
سرِ خوشی کا جو خود پیام ہُوئی
اِس کے فیض و کرم کا حال نہ پُوچھ
مے پرستی ہمیں حرام ہوئی

دیوالی

آئی پھر دیوالی ۔ گھر گھر ہوا اُجالا ۔ ساجن! تم بھی
میرے دِل کی گھور اندھیری نگری میں پھر جوت جگاؤ
تُم بِن جیون کے سب سُکھ اب میرے جی کا روگ بنے ہیں
آؤ! آؤ! برہا کی اب تاب نہیں ہے آؤ آؤ!

مے نوشی

یاس و اندوہ کے طوفانوں میں
آسرا آتشِ سیّال کا بھی لیتا ہُوں
مَیں نہیں مَے کا غلام۔ اے واعظ!
غم غلط کرنے کو پی لیتا ہُوں

ساقیا!

اُف یہ پُر کیف۔ پُر سرور ہَوا
اللہ اللہ یہ مَے فروش گھٹا
وجد آور ہے گُلستاں کی فضا
ساقیا! خُود بھی پی۔ ہمیں بھی پِلا

خُود نُمائی

یہ دعوے حق نمائی کے ہیں باطِل
تم اپنے آپ سے ہو بے خبر سے
ہمیں درسِ بصیرت دینے والو!
اُٹھاؤ پردہ تم اپنی نظر سے

خاکِ ہریانہ

خاکِ ہریانہ ہے بہشت نظر
اِس کا ہر ذرّہ رشکِ شمس و قمر
اِس کے سب جلوے ہیں طرب انگیز
اِس کی اِک اِک ادا ہے جاں پرور

انبالہ

غیر فانی بہار ہے اِس کی
رنگ و بُو کا چمن ہے انبالہ
جاں فزا، دل کُشا، نظر افروز
رشکِ باغِ عدَن ہے انبالہ
کیوں نہ ہو اِس پہ فخر و ناز، ہیں؟
اپنا پیارا وطن ہے انبالہ

چشمِ ساقی

کیفِ موجِ ہوا نہ پوچھ۔ اے دِل!
نشّۂ جامِ مَے ہے بے معنی
رُوبرُو رقصِ چشمِ ساقی کے
ہر ترانے کی لَے ہے بے معنی

پیامِ بہار

اُف! یہ طوفانِ رنگ و بُو و جمال!
اب تو ساغر میں آفتاب آئے
شیخ صاحب بھی جلوہ فرما ہیں
ساقیا! کیوں نہ اب شراب آئے؟

انتخاب

یا جفا سے نہ کوئی گِلا کیجیے
یا وفا ہی سے ہاتھ اب اُٹھا لیجیے
یا نہ صِدق و صفا سے مُڑے مُنہ کبھی
یا فریب و دغا کو دُعا دیجیے